ہجویات
میر

پیش خدمت ہے **کتب خانہ** گروپ کی طرف سے
ایک اور کتاب ۔
پیش نظر کتاب فیس بک گروپ کتب خانہ میں
بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے
https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share
میر ظہیر عباس روستمانی
0307-2128068
@Stranger

احمد جمال پاشا

پنج پبلشر، سردری منزل کچا احاطہ لکھنؤ (یو، پی)

ناشر

عصمت پاشا

پہلی بار ... ۱۹۶۶ء

تعداد اشاعت ... ۱۰۰۰

قیمت ... ساڑھے تین روپے (علاوہ محصول ڈاک)

پتہ ... پنج میاں پبلشرز سروری منزل کچا احاطہ لکھنؤ (یوپی)

طابع ... شاہی پریس لکھنؤ

ہجویات

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی

کے

نام

جنھوں نے میرؔ پر تحقیق کا حق ادا کر دیا

احمد جمال پاشا کی دوسری کتابیں

فن لطیفہ گوئی	۳/-
شوکت تھانوی کی مزاحیہ صحافت	۳/-
دنیا کے بہترین لطیفے	۲/-
مزاح نگاروں کے لطیفے	۳/-
اودھ پنچ کے لطیفے	۱۳/-
مضامین پاشا	۵/-
لذت آزار	۳/۵۰
ظرافت اور تنقید	۶/-

(علاوہ محصول ڈاک)

مکمل سیٹ منگانے پر خاص رعایت

ملنے کا پتہ: پنچ پبلشرز سردری منزل۔ کچا احاطہ۔ لکھنؤ ۶ (یوپی)

ہجویاتِ میرؔ

ہجو، طعنہ، تشنیع، طنز، تمسخر، برہمی، ملامت، رمز و کنایہ، استہزا اور پھبتی سے مرکب ہوتی ہے۔ اس میں ذاتیات کا بھی دخل ہوتا ہے۔ یہ ظرافت کی بڑی دل آزار قسم ہے۔ اس کا مقصد بڑی حد تک مخالفت اور مخالف کی مذمت کرنا ہوتا ہے۔

سب سے بدترین ہجو وہ ہوتی ہے جس میں ذاتیات، مذہبی تعصب یا فواحش سے زبان اور قلم کو آلودہ کیا گیا ہو۔

عام طور پر ہجو ذاتی مخاصمت کی بنا پر کی جاتی ہے۔ کسی فعل یا اسم کو مکروہ سمجھنے، اپنے دور کی سماج یا جماعت کے عادات و اخلاق سے غیر مطمئن ہونے اپنے اوپر جو کچھ گزر گئی، مذہب اور چلن کے ناپسندیدہ پہلوؤں اور حکومت یا ارباب اقتدار کی کوتاہیوں پر ہجو کے پردے میں طنز کیا جاتا ہے۔

ہجو کرنے والا اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے دوسروں کی پگڑی اچھالتا ہے۔ غم و غصے کا اظہار کرنے کے لیے ہجو کرتا ہے۔ انتقامی جذبات کا، کاغذ پر اظہار ہونے کے بعد ہجو کرنے والا مطمئن ہو جاتا ہے، مگر جس کی ہجو کی جاتی ہے اس کی مٹی ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔

ہجو قصیدے کی ایک قسم ہے جس میں بجائے تعریف کے مذمت کی جاتی ہے۔ اس لیے اس میں بھی مبالغے سے اسی طرح کام لیا جاتا ہے جس طور پر قصیدے میں ممدوح کی مدح میں زمین اور آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔

جس کی بھی ہجو ہو گی وہ ناراض ہو گا مگر اس ہجو میں دوسروں کے لیے ہمیشہ تفریح کا سامان ہو گا، لہذا ہر غیر متعلق شخص اس سے لطف اندوز ہو گا۔

ہجو میں وہ تمام چیزیں شامل ہوتی ہیں جن کا اجزا ظرافت میں شمار کیا جاتا ہے اس لیے جب بھی ظرافت کا ذکر ہو گا ہجو کی بات نکلے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہجو کا مقصد اور مفہوم ظرافت کے منصب اور مذاق سے جدا ہے۔

ہجو کے بارے میں صاحب "آبِ حیات" فرماتے ہیں کہ:۔

"ہجو ہماری نظم کی ایک خاردار شاخ ہے جس کے پھل سے پھول تک بے لطفی بھری ہے اور اپنی زمین، اور دہقان دونوں کی کثافت طبع پر دلالت کرتی ہے۔"

"صاحب آبِ حیات" کا اشارہ ہجو کے پردے میں نوک جھونک، ہجو ملیح ہجو قبیح اور سب و شتم میں اس انتہا پسندی کا ہے جو ہم کو ورثہ میں عربی اور فارسی سے ملی ہے۔ اس سے بہت زیادہ اختلاف نہیں جا سکتا، مگر یہ بھی نظر انداز نہ

نہیں کیا جا سکتا کہ چمنستانِ ظرافت میں خار زار ہجو کی وہی اہمیت ہے جو گل کے
ساتھ خار کی ہوتی ہے۔
جہاں تک ہجو کے معیار کی بات ہے تو خواہ عربی فارسی ہو یا انگریزی بہتر سے
بہترین ہجویات اپنے پست ترین معیار کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہیں۔
یہ کہنا بہت زیادہ صحیح نہ ہوگا کہ اردو میں ہجو گوئی کے موجد امیر خسرو ہیں۔
کیوں کہ ان کے پہلے کے شعراء کے یہاں بھی ہجو کے نمونے مل جاتے ہیں۔
اردو میں ہجو گوئی کے شروع میں دو بڑے مرکز ملتے ہیں۔ دکن اور دہلی
دہلی میں خواہ امیر خسرو جیسے عالم ہوں یا مرزا مظہر جیسے بزرگ، ہجو سے سب نے
بڑی دل چسپی لی اس میدان کے دو بڑے شہسوار میر اور سودا ہیں۔ ہجو گوئی
کی تاریخ میں ہمیشہ ان کی بڑی اہمیت رہے گی۔ ان کے معاصرین اور شاگردوں
کے دم سے دہلی میں ہجو گوئی عروج پر پہونچ گئی۔ جب یہ اساتذہ، دہلی سے
ترک وطن کر کے لکھنؤ پہونچے تو یہاں بھی ہجو گوئی کی وہی دھوم دھام رہی۔
اگر دہلی میں ہجو گوئی پہ تلواریں کھنچتی تھیں تو لکھنؤ میں بھی بر سر دربار ہاتھا پائی
کی نوبت آ جاتی تھی۔
ہجویات میر کو پرکھنے کے لیے میر کی آشفتہ سری کا سمجھنا بہت ضروری ہے
میر جن پُر آشوب حالات اور دور سے گذرے اس کے پس منظر میں اُن کا وہ مخصوص
مزاج بآسانی سمجھا جا سکتا ہے جس کا اُن کی شاعری میں عمل دخل ہے۔
سچ پوچھیے تو حالات اور زمانہ کبھی میر کے لیے سازگار نہ ہو سکا۔ والد
اور چچا کی موت، سوتیلے بھائی اور ماموں کی بدسلوکی، مفلسی اور پریشانی، عشق

یس ناکامی، در در کی ٹھوکریں، درویشوں کی صحبت، ترک وطن، زمانے کی بے اعتنائی۔ حد درجہ غیرت اور خودداری، دلی کی تباہی اور اہل کمال کی ناقدری نے میرؔ کو دردِ غم کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ احساس کمال کے بعد، پھر وہ نہ معاصرین کو خاطر میں لائے اور نہ دربار یا اہل دربار کو۔

میرؔ نے ہمیشہ اپنے معاصرین کو ہیچ گو سمجھ کر ان پر چوٹیں کیں اور اپنے تین شاعروں کے علاوہ کسی کو شاعر تسلیم نہ کیا۔ بلکہ شکوہ کیا کہ ؎

کس کا ہو تماش ایسا گو دڑ ہیں بھرے سارے
دیکھو نہ جو لوگوں کے دیوان نکلتے ہیں

کسی کو خاطر میں نہ لانے کے اسی جذبے نے امیر الامراء کا مذاق اڑایا، راجا جگل کشور کے کلام پر اصلاح کی چھری پھیری، نواب کے بجائے شعر سننے کے مچھلیوں سے کھیلنے پر ایسا ناراض ہوئے کہ بازار تک میں بات نہ کی، اور دربار جانا ترک کیا۔

میرؔ کی ایسی بے دماغی، یاسیت، اکل کھرے پن، قناعت اور صاف گوئی نے اُن کو ہجو گوئی پر آمادہ کیا۔ میرؔ خوددار، غیور، دیرآشنا اور ظریف الطبع تھے۔ شاہ و گدا سب ان کے نزدیک یکساں تھے۔ مصائب کے باوجود زندہ دل تھے۔ اپنے گھر کے ماہانہ مشاعرے میں احباب سے ہنستے بولتے گپیں مارتے جلی کٹی سناتے۔

ہجو اکول، مرغ بازی، ہجو عاقل، ہجو نااہل، گھر کا حال، برسات کی شکایت، ننگ نامہ، ہجو بلاس رائے، ہجو لشکر، ہجو خواجہ سرا، ہجو مرغ بازاں

مثنوی، مذمت کذب، مثنوی مذمت دنیا ، اژدر نامہ، تنبیہ الجہال، مذمت آئینہ دار اور کتے پالنے والے کی ہجو، ہجویات میر کے باب میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان ہجویات میں ایسی ظرافت ملتی ہے جس کو زہر خند سے تعبیر کیا جا سکتا ہے میر کی بے باکی اور صاف گوئی نے ان میں طنز کی شان پیدا کر دی ہے۔

ان ہجویات میں انھوں نے جہاں فحش قصے نظم کیے ہیں وہاں محتسب کی ہجو رکیک بھی کی ہے۔ ان ہجویات میں سماجی حالات کا عکس اور نظام معاشرت کے واضح اثرات ملتے ہیں۔ ہجو اس زمانے کی بہت نمایاں روش ہے۔ اس روش میں میر بہت نمایاں نظر آتے ہیں، ہجو کے فن سے پورے طور پر واقف ہیں۔ حسن بیان، صرف الفاظ، معلومات اور حسن مبالغہ میں طنز و مزاح کے جوہر سما کر وہ انتہائی دلچسپ بنا دیتے ہیں۔ میر کی ہجویات میں بیباکی ہے مگر اوباشی نہیں، بس معلوم ہوتا ہے کہ ایک جہاندیدہ شخص نصیحت کے پیرائے میں زمانے کے گرم و سرد سے آشنا کر رہا ہے۔

ان کی ہجویات سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ وہ زبان کی طرح دل کے بھی برے ہیں بس یہ محسوس ہوتا ہے جیسے وہ یہ سب دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے کر رہے ہیں، اگر اس عداوت کے غبار میں ذاتی کدورت سے زیادہ زمانے کا شکوہ ہے۔ بغیر طنز کے ہجو بیجان ہو جاتی ہے، مگر میر کے یہاں طنز کی اتنی فراوانی ہے کہ ان کے سنجیدہ کلام میں بھی اس کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ اس طنز میں حاسدانہ سفلے پن کے بجائے سوزش قلب و جگر ہے۔ اس میں اس آگ کی گرمی ہے، جس میں میر خود جل رہے ہیں میر نہ سودا کی طرح فواحش اور تعصبات مذہبی سے اپنے قلم کو آلودہ کرتے ہیں

اور نہ تمسخر کے لیے پھو بیٹیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔

ہجویات میر میں کوئی نہ کوئی اصلاح کا پہلو ضرور ملتا ہے۔

"بلاس رائے کی ہجو میں اس کی کنجوسی اور شوریدہ پشتی کا خاکہ اڑاتے ہوئے کہتے ہیں ؎

سنو یارو بلاس رائے کا حال — ایک پُچّا ہے وہ عجائب مال
کام لینا ہے اُس سے امر محال — سو رہی جا اڑیں تو دیوے ٹال
پیر کو اپنے وے نہ ..... کا بال

دراصل یہ بھی ایک طرح پر لشکر کی خستہ حالی کا مرثیہ ہے

"لشکر کی ہجو" میں انھوں نے اس بد حالی کا بہت ہی عبرت انگیز نقشہ کھینچا ہے ؎

خاک اڑتی ہے صبح سے تا شام — شام سے صبح تک ہے فکر طعام
رحم کی جا ہے حال تنگ انام — ایک دو دھول تو لوں کسو کا نام
سیکڑوں کے نہیں جگر میں آہ

خواجہ سرا کی ہجو میں انھوں نے خواجہ سرا سے ایک حکیم کی گفتگو نقل کر کے خواجہ سرا کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔

"مثنوی دربیان مرغ بازاں" میں انھوں نے لکھنؤ کی مرغ کی پالیوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس سلسلہ میں میر کی معلومات خاصی دلچسپ ہیں۔ مرغ بازوں کے بارے میں کہتے ہیں ؎

بازی بدبد کے جب لڑاتے ہیں — کانٹے لوہے کے باندھ لاتے ہیں

"مثنوی در ہجو خانۂ خود" میں انھوں نے اپنے گھر کی خستہ حالی کا نقشہ کھینچا ہے۔

میرؔ نے اپنے گھر کا جس انداز سے خاکہ اڑایا ہے وہ بے حد قابلِ تعریف ہے۔ ان کے گھر کی ابتری اور بے ترتیبی میں ان کے زمانے کی افراتفری کی جھلک بہت نمایاں ہے۔ اس میں انھوں نے خود اپنا بھی خاکہ اڑا کر بڑی وسیع القلبی کا ثبوت دیا ہے۔ جستہ جستہ یہ بھی دیکھئے ۔

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال	اس خرابے میں میں ہوا پامال
لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی	آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی
چھاؤں باندھا ہے مینھ نے دن رات	گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات
کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک	کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک
کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے	کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں	پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار	تھرتھرا دے بھنبیری سی دیوار
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے	جان نکل ہی جاتی ہے
ایک دن ایک کوا آ بیٹھا	بھنگیاں جیسے ہوا آ بیٹھا
قصہ کوتہ دن اپنے کھوتا ہوں	رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

دوسری مثنویوں میں بھی میرؔ نے اپنے گھر کی خستہ حالی اور بے سروسامانی کے

مرقعے کھینچے ہیں۔

"اژدر نامہ" میں میرؔ نے اپنے تمام معاصرین کو سنپولیوں اور کیڑے مکوڑوں سے تشبیہ دیکر اپنے آپ کو اژدہا قرار دیا ہے۔ ان کی اس ہجو پہ ان کے زمانے میں بڑے معرکے اور ہنگامے ہوئے اور محمد امان نثارؔ جن پہ سخت چوٹیں کی گئیں تھیں۔ اس اژدہے کے کلّے چیرنے تک کے لیے تیار ہو گئے تھے ؂

حیدرِ کرار نے وہ زور بخشا ہے نثار

ایک دم میں دو کروں اژدر کے کلّے چیر کر

اس کے باوجود کے ان ہجویات کی بدولت میرؔ کو "پگڑی" سنبھالنا مشکل ہو گئی انھوں نے کبھی لگی لپٹی نہ رکھی اور نہ اس کی پرواہ کی کے اس عاشقی میں عزّتِ سادات جانے کے بعد بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ انھوں نے اپنی چال ٹیڑھی اور بات روکھی ہی رکھی۔

اور اپنے زمانے کی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور اخلاقی بدحالی کے لازوال مرقعے ہجویات کی شکل میں پیش کرتے رہے۔

میرؔ کی شخصیت اور شاعری کو ان کے زمانے کے حالات کی روشنی میں سمجھنے کے لیے 'ہجویاتِ میرؔ' کی ہمیشہ ایک اہمیت رہے گی۔

احمد جمال پاشا

یکم ستمبر ۱۹۶۷ء

سرور منزل۔ کچا احاطہ

لکھنؤ۔ (یو۔پی)

ہجویاتِ میر

مخمس در ہجو بلاس رائے

سنو یارو بلاس داسے کا حال ایک لُچّا ہے وہ عجائب مال
کام لینا ہے اُس سے امرِ محال سو ربھی جا اڑیں تو دیوے ٹال
پیر کو اپنے دے نہ ۔ ۔ ۔ کا بال

لے جو کچھ اس سے ایسا ویسا ہو ورنہ کیا دخل کوئی کیسا ہو
کہتا ہے دوں جو پاس پیسہ ہو ہوتے جو دے نہ ایسا تیسا ہو
خلق ناحق ہے میرے جی کا وبال

ایک عمدہ کے ہاں ہے اہلِ کار فوج کے لوگوں کا سب اس پہ مدار
سو یہ ۔ ۔ ۔ ایسا خوش اقرار کہے ہر اک کو دینے سو سو بار
پھر نہ دے جز فریب تا دہ سال

یا مہینوں تلک رہے روپوش یا ملے ہے تو بے حواس و ہوش
لوگ کرتے پھر و نہ جوش و خروش یہ کچہری میں بیٹھا ہے خاموش

رنگ رو بیحیا ہے گویا لال

جب سے یہ ہے محررِ دفتر — تب سے ہنگامہ ہی رہا اکثر
ہووے پرچھا جو دے کسو کو ذر — سو یہ ہٹی پڑھا نہیں ہے لچر
سب سے اُس کو ہے ایک جنگ و جدال

لات مکّی ہے گہ رہیلوں سے — ڈھول جھگڑا ہے گاہ چیلوں سے
کم نہیں ہے کچہری میلوں سے — آتے جاتے ہیں لوگ ریلوں سے
نکلے ہے تیغ کھڑکے ہے واں ڈھال

ان دنوں آگیا ہے از بس ریش — آج کم بھی ہے اس کا سب سے بیش
شان میں اپنی گوہر بد کیش — بوریا پوش گرسنہ درویش
پشم جانے ہے یہ قبا و شال

کیا کوئی جھاڑ جی کی خوبی کہے — اس... زیادہ مری کو کون سہے
جانے اس کے نہیں درخت رہے — بردباری نہ ہے وقار رہے
بات کہتے ہیں تو کریں ہیں نہال

دیکھو منھ تو خدا ہی خیر کرے — پاک ہو شہر جو کہیں یہ مرے
کب تک ایسے نحس سے کوئی بھرے — کہنی ٹیکے یہ اُس کو دیکے دھرے
جن نے دیکھے نہ ہوویں خرس جوال

ایک صف خاک دھول اڑاتی ہے — سنگ و خشت ایک صف چلاتی ہے
لوہے پتھر کی اُس کی چھاتی ہے — اک قیامت جلو میں آتی ہے
نکلے ہے گھر سے جب کہ یہ دجال

مردہ شو خصم جان اہلِ ہنر   جس کسو دن رہے ہے اپنے گھر
پڑتے ہیں میرزائی پر پتھر   یوں پھرے ہے کمر میں رکھ کے تبر
جوں کفن چور رکھّے کدال

نے حیا ہے نہ کچھ مروت ہے   نے کچھ اس خر میں آدمیت ہے
کیا خدا جانے بھڑوے کی مت ہے   گالی ہے ڈھول ہے یہ عزّت ہے
کہیں غیرت کا سر میں کچھ ہے خیال

جورو گھر میں رکھے ہے اک شتاہ   کہیں چشمک کرے کہیں وہ نگاہ
آتے جاتے ہر ایک اس سے راہ   واہ رے واہ جی کی غیرت واہ
طرفہ دیوث زنجلبہ چنڈال

یہ کمر باندھ کر گئے دربار   وہ ہوئی گرم جستجوئے یار
آئے دروازے پر لگی سوبار   سر پہ رکھ بانکی پگڑی کھڑکی وار
پھر ہوئی چیرہ بند بڈھی چھنال

کچھ حمیت نہ زنجلب کے تئیں   ساتھ لے جائے گھر میں سب کے تئیں
نہ رہے پاس جورو شب کے تئیں   نہ تو پاتے ہیں اس کے ڈھب کے تئیں
نہ سمجھتے ہیں اس چھنال کی چال

قصّہ کوتاہ بعد چندیں ماہ   میری اس بھڑوے پہ ہوئی تنخواہ
جانے آدم لگا گہہ و بے گاہ   یہ تو مغرور بے تہہ و گمراہ
منقری کاذب و سفیہ و ضلال

سہل سا مجھ کو بھی سمجھ کے نفر   رکھنے وعدوں ہی میں لگا بے پیر

یہ نہ جانا نہیں ہے اس کی نظیر　　اُس کو جانے ہے بادشاہ و وزیر
دور تک پہونچے گی یہ قیل و قال

اُس کی خاطر کہیں گے خورد و کلاں　　سعی اس میں کرینگے عمدے بجاں
دوست اُس کو کہیں ہیں پیر و جواں　　لے گا منت علی محمد خاں
رکھنا ان پیسوں کا ہے کس کی مجال

آپ نواب سُن کے اُس کا نام　　کہے گا دو یہ پیسے جلد تمام
یاں نہ زنہار کیجیو صبح و شام　　ہو نہ ایسا کہ پاوے طول کلام
ایک سے دس ہو دہلے ہیں کچھ بھی مال

ہوتا اشراف تو یہ نہ پاتا　　کاہے کو اپنے پردے اٹھواتا
سو جلاہوں سے اُس کے تئیں ناتا　　کبھو بیچے تھا بڑھیا کا کاتا
کبھو ہوتا تھا سوت کا دلال

اب ترقی ہوئی وکیل ہوا　　ایک عمدہ کے گھر دخیل ہوا
فوج کے لوگوں کا کفیل ہوا　　مجھ سے اڑ کر عبث ذلیل ہوا
جہل پر اس کے ہے یہ صحبت دال

جو گیا آدمی سو داغ آیا　　ٹک نہ یہ کُس کباب شرمایا
جب تقاضے سے اُس کو گھبرایا　　پھیر مُنھ لب پہ یہ سُخن لایا
تم تو کاٹو ہو پہلے چومے گال

یوں تو سو بار آؤ جاؤ گے　　پیسے تدریج ہی سے پاؤ گے
اور اُس پر بھی جو ستاؤ گے　　اپنے پیسوں سے ہاتھ اٹھاؤ گے

برچھی میں اپنے سر سے دوں گا ٹال

یاں کھڑا دو دو دن رہے ہے دوا ب | مطبخی خاص کو ملے ہے جواب
منھ تکا دیر کرتے ہیں نواب | کس کا اللہ میاں کہاں کا ثواب

بے زری سے ہے زیست رنج وبال

کام جوں توں کے میں چلاتا ہوں | سو بھی سو مونڈکاں پہ جاتا ہوں
قرض کچھ بن گیا تو لاتا ہوں | جیسا میں نے کیا ہے پاتا ہوں

متصدی گری ہے یا جنجال

باز آتا نہیں ہے نفس شوم | ورنہ کس سے اٹھے ہے ایسی دھوم
ہر سحر روز والوں کا ہے ہجوم | ہے تمھیں حال یاں کا کیا معلوم

تم تو سونٹا لیے کرو ہو سوال

ایک دن جا کیا نفر نے شور | اُن نے دیکھا نہ مطلق اُس کے اور
ہے غرض صحبت اپنی اُسکے زور | وہ تو چھپر کی جھول کا ہے چور

میں بھی کھینچوں گا خوب اس کی کھال

اس پہ تنخواہ جو کہ کر لا دے | سو وہ اپنا کیا ہی پھر پا دے
پا شکستوں کو برسوں دوڑا دے | ایسے سے ہاتھ خاک کیا آ دے

جس سے دل ہوں تہہ غبار ملال

بد زبانی نہیں ہے اتنی خوب | بات اچھی نہیں ہے بے اسلوب
گفتگو اس طرح کی ہے معیوب | مل رہے گا جو کچھ کہ ہے مطلوب

بس قلم اب زبان اپنی سنبھال

مخمسِ دیگر دَر ہَجوِ لشکر

جس کسو کو خدا کرے گمراہ　　آوے لشکر میں رکھ اُمید رفاہ
یاں نہ کوئی وزیر ہے نے شاہ　　جس کو دیکھو سو ہے بحال تباہ
طرفہ مردم ہوئے اکٹھے آہ

جلیئے جس کے یہاں وہ روتا ہے　　یا کہے چوبدار سوتا ہے
جو مقدر ہے سو تو ہوتا ہے　　کون وقتِ عزیز کھوتا ہے
میں تو تھوکوں نہ ایسوں پر واللہ

فوج میں جس کو دیکھو سو ہے اُداس　　بھوک سے عقل گم نہیں ہیں حواس
بیچ کھایا ہے سب نے ساز و لباس　　چیتھڑوں بن نہیں کسو کے پاس
یعنی حاضر یراق ہیں گے سپاہ

خاک اڑتی ہے صبح سے تا شام　　شام سے صبح تک ہے فکرِ طعام

رحم کی جا ہے حال تنگ انام ایک دو ہوں تو لوں کسو کا نام
سیکڑوں کے نہیں جگہ میں آہ

مفلسی سے رہا ہے کس میں حال خورش و خواب ہینگے خواب و خیال
چار دن عمر کے ہوئے ہیں وبال زندگی اپنے طور پر ہے محال
مرگ ملتی نہیں ہے خاطر خواہ

جاؤ کرتے تلاش جس کے گھر پہونچنا اُس تلک بہت دوبھر
راہ مطلق نہیں نکلتی اُدھر باعثِ حد فساد و شور و شر
دس تلنگے ہیں در پہ بے گہہ و گاہ

دیکھے میں نے مصاحبان شہ نکلے سب بے حقیقت و بے تہہ
ٹھہری آخر کو اُن سے کچھ مت کہہ رہ سکے ہے کسی طرح تو رہہ
ورنہ لشکر سے جا خدا ہمراہ

فقر و فاقہ کی ہر طرف ہے دھوم در تلنگے جہاں ہیں واں ہے ہجوم
لشکر اک ہے خرابہ مردم بوم زندگی کرنے کی طرح معلوم
کہہ رہے جوں خدا ہی ہے آگاہ

قصّہ کوتہ کہاں نہ رو گزرا کون سی شکل میں نہ ہجر گزرا
آبرو رفتہ رفتہ کھو گزرا یاں گزرنا تھا ظلم جو گزرا
اس پہ جس کو ہو قصد بسم اللہ

قطعہ در ہجو خواجہ سرا

ایک جو خوجے سے ملا ایک حکیم — دونوں ملے آپس میں ہوئے ہمکلام

خوجے نے یوں اُس سے کہا تجھے ہی — مردے حکیموں کا ہوا زندہ نام

کتنے دنوں سے ہے مجھے دردِ سر — اُس کی میں پامالی میں ہوں صُبح و شام

نیند نہیں رات کو نے دن کو چین — خواب و خورش مجھ پہ ہوئی ہے حرام

تیری توجہ ہے ضروری ادھر — کیونکہ یہ ناکام کا ہے اتنا کام

کہنے لگا سُن کے وہ حاذق طبیب — تجھکو یہی کام رہے ہے مُدام

تیرے تنقّی کی نہیں احتیاج — اور نہ شہد درد سر سے تلخ کام

نسخہ میں یا شوئے کا لکھ دوں تجھے — کر تو اسے جاکے اذیّت تمام

سُنکے تعجب سے کہا خوجے نے — پختہ تجھے جانا تھا نکلا تو خام

کچھ بھی ہے سر پاؤں تری بات کا — چپ نہ ہنسیں سُن کے کہیں خاص و عام

پانوُں کہاں سر کہاں ناداں کے میں — تجھ سے تو دانا بمراتب عوام

سخت تر آشفتہ ہو بولا طبیب خوجوں میں ہوتا نہیں ہوشیار یکدم
نقل ہے اک یاد چنانچہ مجھے رات کو خوجہ کو ہوا . . . . .
. . . . جنبش تو . . . . کی تھی . . . کے گئی اُس کی . . . تمام
صبح کو اٹھ قینچی گھڑی گھر میں کی کیا کہوں میں کیسی ہوئی دھوم دھام
ٹھہرے امین آکے کئی معتبر ایک حویلی میں ہوا اژدحام
بانس تلک توڑ چکے نفروں پر پوچھ چکے لوگوں کا لے لے کے نام
نسبت پا سر سے ہے کیا پوچھ مت اپنی طرف دیکھ تو ٹک تیرہ فام
خوجے گئے اپنے ہی سے کر لے قیاس ریش بچا بچا اسے غلام

سمجھے نہ سمجھے تو مرے . . . . سے
میں تو نظیر اس کی کہی والسلام

مثنوی در بیان مرغ بازاں

دلّی سے ہم جو لکھنؤ آئے
گھر میں پرخاش مرغ یاں پائے

پر و پرزا درست یکساں ہے
مرغ تصویر کا بھی حیراں ہے

مرغ ہے ایک ایک جیسے کلنگ
ماند سارس ہے جنگ جس کا ننگ

حوصلہ کس قدر حواصل کا
ذکر کیا کرگس ستر دل کا

لات کی گھات کر جو مڑ جاوے
نسر طائر کا رنگ اُڑ جاوے

زہر ققنس کا اس خطر سے آب
شب نہ سووے ہراس سے سرخاب

بکری سا فیل مرغ کو مارا
کب شتر مرغ سے ہوا چارا

آدمی جو بڑے کھاتے ہیں
مرغ مارے بغل میں آتے ہیں

سرخ و سبز دار کے سب مرغ
ہیں ثنا گستر ایسے تھے کب مرغ

ہو جو کیں مرغِ خانگی کے تئیں
ہمت سن اس ہرزہ جاگی کے تئیں

لات ماری جو کاٹ کر حلقوم
حیدرآباد تک پڑی ہے دھوم

کھا کے سینے کی مدعی سو دے   منہ پر واقع کا واقعہ ہو دے

نے ثنا سے بطیں ہی ہیں تر لب   مرغِ عیسٰی ہیں مدح خواں ہر شب

ٹینی کے سر پر آج ٹیکا ہے   اس کے آگے کنیل پھیکا ہے

کیا عجب ان کی رہگزر کا فرش   ہوں پر افشاں تو ہو خروس عرش

اُڑ گیا حلق کا جو لڑتے پہ سمت   کی صدا مرغِ دوست نے ہی درست

پس اس رنگ ہوتے ہیں محسوس   جو گلستاں میں ہو دیں تاجِ خروس

شورِ جنگ آوری کا تا کہسار   کبک کا گھر خروس پر ہے بار

کب ہیں پہنے سے مرغ زریں بال   حُسن لاکھے کا جب سمجھے مرغِ خیال

کر سکے وصف مرغ کیا کوئی   مرغِ آمین کو دعا گوئی

ور قر اتنا کو ڈیر بیچے لیں   جان دے کوئی تخم مرغ نہ دیں

مرغ بازوں سے ساز کر دیکھا   در الطاف باز کر دیکھا

ربط رکھا بہت انھوں کے ساتھ   ایک پر مرغ کا نہ آیا ہاتھ

مرغ کا مرغ ہو دے مرغ انداز   مرغ ایسا ہو تو بجا ہے ناز

یعنی اپنا حریف جب پا دے   پھر ہلانے نہ دیوے کھا جا دے

سینہ کیا سینہ بال کیا پر و بال   جیسے چشمِ خروس آنکھیں لال

بازی بد بد کے جب لڑاتے ہیں   کانٹے لوہے کے باندھ لاتے ہیں

آیا حلقوم سے کہ حلق کے پار   پھوٹا چھاتی پر ایک لگ کے دو سار

ہاتھ جس مرغ باز کے تھا وہ   پانی کرنے لگا تر آکر وہ

کچھ تو ٹھہرا تو دم دیا اُن نے   تعبیہ کر کے رکھ لیا اُن نے

اور جو سست ہو ہوا تھیلا
دونوں بازو کے پر دیئے پھیلا

دم سے گیا ہو یہ بیدم و مجروح
قصدِ پرواز میں تھا مرغِ رُوح

ہو چکا ہو چکا ہوا یہ شور
ڈھلکی گردن گیا وہ سارا زور

پھیلا پانی میں وہ غمِ جانسوز
دل زدہ پھر ہیں مرغِ دست آموز

جانور رنگ باختہ سب ہیں
یعنی حیران فاختہ سب ہیں

مرغِ قبلہ نما کو وحشت ہے
بال کھولے ہیں پر نہ طاقت ہے

ورنہ اُڑ کر کہیں چلا جاتا
دیر اپنے مقام پر آتا

جیسے منگل کو پالی کی ہے دھوم
گلیوں میں روزِ حشر کا ہے ہجوم

مرغ بازوں کو ہے قیامت جوش
جس کو دیکھو تو مرغ در آغوش

مرغ لڑتے ہیں ایک دو لاتیں
سیکڑوں ان سفیہوں کی باتیں

اُن نے پر جھاڑے یہ پھڑکنے لگے
اُن نے کی نوک یہ آٹکنے لگے

وہ جو سیدھا ہو تو یہ ہیں کج
ساتھ اس کے بدلتے ہیں سج دھج

مرغ کی ایک پر فشانی ہے
ان کی صد رنگ بد زبانی ہے

ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ
ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ

جھکتے ہیں آپ کو تراتے ہیں
لاتیں گویا کہ یہ ہی کھاتے ہیں

ایک کے منہ میں مرغ کی منقار
ایک کے لب پہ ناسزا گفتار

منہ پہ آیا جو کچھ وہ بکنے لگے
تیکھی نظروں سے سب کو تکنے لگے

طُرفہ ہنگامہ طرفہ صحبت ہے
بعد نصف النہار رخصت ہے

کھانچے سر پہ بغل میں مالے مرغ
لے گئے جیتے ہارے سارے مرغ

پھر جو روزِ معین آوے گا　　نالۂ مرغِ سحر سنا دے گا

عالم آوے گا گرد ویسا ہی　　گرم ہنگامہ ہوگا ایسا ہی

میرؔ ان کا نہ ہمدرد سے گو قائل

مرغِ معنی پہ وہ بھی ہے مائل

مثنوی در ہجو خانۂ خود

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال
اس خرابے میں میں ہوا پامال

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسف جاں ہے

کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ

چار دیواری سو جگہ سے خم
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

کیا تھمے مینھ سقف چھلنی تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام

اس چکش کا علاج کیا کریے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے

جا نہیں بیٹھنے کو منھ کے بیچ
ہے چکش سے تمام ایواں کیچ

آنکھیں بھر لا کے یہ کہیں ہیں سب
کیونکہ پہ دار ہے گا یا رب اب

جھاڑ باندھا ہے منھ نے دن رات
گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات

باڑیں کانپتی ہیں جو تھر تھر — اُن پہ دیوار رکھے کوئی کیونکر

کیچ لے کے جوں توں چھوپا ہے — چھوپا کا ہے کو بلکہ تھوپا ہے

تس کو پھر پر چھتی بھی بنی نہیں — ٹوٹا اک بوریا سا ڈالو کہیں

ڈھانکو دیوار یا اُٹھا رکھو — یا ہمارے لیے بچھا رکھو

ایک حجرہ جو گھر میں ہے واقع — سو شکستہ تر از دلِ عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک — کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک

کہیں گھونسوں نے کھود ڈالا ہے — کہیں چوہے نے سر نکالا ہے

کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا — شور ہر کونے میں ہے جھینگر کا

کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے — کہیں جھینگر کے ہے مزہ نالے

کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں — پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں

اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے — جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے

رکھ کے دیوار ادھر ادھر سے — لا کے یارب بناؤں کس گھر سے

چار پائی جیسے اس میں بچھائی — پہلے چلپاسہ ہی نظر آئی

سام ابرص کہ ہے دراے خراج — ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج

پیکر اپنی خدا نے رکھی ہے — ڈانس ایک ایک جیسے مکھی ہے

آگے اس حجرے کے ہے اک ایوان — وہی اس تنگ خلق کا ہے مکان

کڑیاں تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ — اُس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ

کبھو کوئی سپنولیا ہے پھرے — کبھی چھت سے ہزار پائے گرے

کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے — کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے

دب کے مرنا ہمیشہ مد نظر　　گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر

مٹی تودہ جو ڈالی چھت پر ہم　　تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم

مضطرب ہو گئے جو چھائی بہت　　ہر کڑی نے کڑی اٹھائی بہت

پڑسے اس مینھ میں کرختی ہے　　تختے تختا ہوئے یہ سختی ہے

ہوئیں اڑ داڑیں پھر جو حد سے زیاد　　چل ستونوں سے مکان دبے باد

اینٹ مٹی کا در گئے آگے ڈھیر　　گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر

جیتے ہیں جب تلک نہیں پہونچے　　ورنہ کیا بس ہے جو نہیں پہونچے

گھلنی دیوار کی نیٹ بے حال　　پڑڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال

طوطا مینا تو ایک بابت ہے　　پھر دنا پھدکے تو قیامت ہے

کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار　　تھرتھرا دے بھنبھیری سی دیوار

ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا　　شاق گزرے ہے کیا کہوں کیسا

ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب　　اڑ بھنبھیری کہ ساون آیا اب

تیتری یاں جو کوئی آتی ہے　　جان محزوں نکل ہی جاتی ہے

نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ　　کہیں کھسکی تو ہے قیامت ننگ

ایک دن ایک کوا آ بیٹھا　　بیگماں جیسے ہوا آ بیٹھا

چیل سے لوگ دوڑے کرتے شور　　کہ نہ حائط میں کچھ رہا تھا زور

ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے　　دوڑے اچھلے کہ ہال [illegible] چلے

نہیں وہ زاغ چار پاؤں بھرا　　ایک کالا پہاڑ آن گرا

مٹی اس کی کہیں کہیں بھسکی　　جی ڈھا اور چھاتی بھی دھسکی

سان کر خاک لگ گئے دو چار — بارے جلدی درست کی دیوار
اچھے ہوں گے کھنڈر بھی اس گھر سے — برسے ہے اک خرابی گھر در سے
اُکھڑے پکھڑے کواڑ ٹوٹی صید — زلفِ زنجیر ایک کہنہ حدید
خاک لوہے کو جیسے کھائے پاک — چھیڑ لیجے تو پھر نری ہے خاک
بند رکھتا ہوں در جو گھر میں رہوں — قدر کیا گھر کی جبکہ میں ہی نہ ہوں
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے تم کو ور — ہے خرابی سے شہر میں مشہور
جس سے پوچھو اُسے بتاوے شتاب — ساری بستی میں ہے یہی تو خراب
ایک چھپر ہے شہرہ دلی کا — جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا
بانس کی جا دیئے تھے سرکنڈے — سو دے مینہوں میں سب ہوئے ٹھنڈے
گُل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب — پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب
مینھ میں کیوں نہ بھیگئے یکسر — پھونس تو بھی نہیں ہے چھپر پر
مٹی ہو کر گرا ہے سب والا — وہ رہے ہاں جو ہووے ڈھب والا
واں پہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا — یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
حال کس کو ہے اولتی کا یاد — مگری اس جھگڑے میں گئی برباد
کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالہ — کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لا لا
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں — ہیچ کوئی لڑاؤں فتنہ کروں
یاں تو جھانکے ہزار میں تنہا — کچھ نہیں ہائے مجھ سے ہو سکتا
بسکہ بد رنگ ٹپکے ہے پانی — کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں — کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

مجھ سے کیا واقعی ہوا چارا   آسماں جو پھٹے تو کیا چارا
پلنگ جھینگر تمام چاٹ گئے   بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے

تنکے جاندار ہیں جو بش دکم   تن پہ چڑیوں کو جنگ ہے باہم
ایک کھینچے ہے چونچ سے کرزور   ایک بگڑی پہ کر رہی ہے شور

پوچھو مت زندگانی کیسی ہے   ایسے چھپر کی ایسی تیسی ہے

کیا کہوں جو جفا چلکش سے سہی   چارپائی ہمیشہ سر پہ رہی
دریا پھیل کر بچھا نہ کبھو   کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو

ڈیوڑھی کی ہے یہ خوبی در ایسا   چھپر اس چوپچلے کا گھر ایسا
جنس املی کوئی کھٹولا کھاٹ   پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی   چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں   سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں
کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے   سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے
ایک چٹکی میں ایک چنگلی پر   ایک انگوٹھا دکھاوے انگلی پر

گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا   پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں   ناخنوں کی ہیں لال سب گوریں

ہاتھ تکیے پہ گہ بچھونے پر   کبھو چادر کے کونے کونے پر
سلسلایا جو پائنتی کے ادور   دہیں مسلا کرا ایڑیوں کا زور
توشک ان رگڑوں ہی میں سب پھاٹی   ایڑیاں یوں۔ رگڑتے ہی کاٹی
جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان   ساری کھاٹوں کی چولیں نکلی ندان

نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو — پائے پٹی لگائے کونے کو

جب نہ تب پنڈے پر لیے پائے — سیتالا کے سے دانے مرجھائے

سو یہ تہا نہ بان میں کھٹمل — آنکھ منھ ناک کان میں کھٹمل

کہیں بھڑکا کہ جی سے تاب گئی — آنکھ سے تا پگاہ خواب گئی

ایک ہتھیلی پہ ایک کھائی میں — سیکڑوں ایک چارپائی میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے — کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے

یہ جو بادش ہوئی تو آخر کار — اس میں سی سالہ وہ گری دیوار

آہ کھینچی خرابی کیا کیا نہ — تھے جو ہمسائے وے ہیں بیچار

ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے — جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے

دو طرف سے تھا کتوں کا رستا — کاش جنگل میں جا کے میں بستا

ہر گھڑی دو گھڑی تو دتکاروں — ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں

چار جاتے ہیں چار آتے ہیں — چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں

کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز — کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

وہ جو ایواں تھا حجرے کے آگے — اس کے اجزا بکھرنے سب لاگے

کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا — پانی جڑ جڑ میں اس کے بیٹھ گیا

کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا — ناگہاں آسمان ٹوٹ پڑا

میں تو حیران کار تھا اپنا — کوئی اس دم نہ یار تھا اپنا

اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یکسر — خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر

چرخ کی کجروی نے پیسا تھا — پر خدا میرا مجھ سے سیدھا تھا

کتنے اک لوگ اس طرف دھائے — یا تلک آسمان سے آئے

مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں — کام نے شکل پکڑی باتوں میں

صورت اس لڑکے کی نظر آئی — ہم جو مُردے تھے جان سی پائی

آنکھ کھولی ادہر اُدہر دیکھا — اس خرابی کو بھر نظر دیکھا

قدرتِ حق دکھائی دی آکر — یعنی نکلا دُرست وہ گوہر

داشت کی کوٹھری میں لا رکھا — گھر کا غم طاق پر اٹھا رکھا

مومیائی کھلائی کچھ جلدی — فُرصت اُس کو خدا نے دی جلدی

غم ہوا اُس کے دوست داروں کو — پھر بندھا یہ خیال یاروں کو

کہ مری بود و باش یاں نہ رہے — گو تصرّف میں یہ مکاں نہ رہے

شہر میں جا بہم نہ پہونچی کہیں — چار نا چار پھر رہا ہیں وہیں

اب وہی گھر ہے بے سر و سایہ — اور میں ہوں وہی فرومایہ

دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس — خوابِ راحت ہے یاں سے سو سو کوس

قصہ کوتہ دن اپنے کھوتا ہوں — رات کے وقت گھر میں سوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

مثنوی در ہجو خانۂ خود کہ بہ سبب شدّت باراں خراب شدہ بود

پیش خدمت ہے **کتب خانہ** گروپ کی طرف سے
ایک اور کتاب ۔
پیش نظر کتاب فیس بک گروپ کتب خانہ میں
بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے 👇
https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share
میر ظہیر عباس روستمانی
 0307-2128068
@Stranger

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے — اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں — زندہ در گور ہم کئی تن ہیں
ہے جو سر کوب اک بڑی دیوار — واں سے جھانکو تو ہے اندھیرا غار
بخت بد دیکھ سارے پرنالے — اس کے معمار نے ادھر ڈھالے
اب جو آیا ہے موسم برسات — دن کو ہے اپنے یاں اندھیری رات
صحن میں آب نیزہ بالا ہے — کوچہ موج ہے کہ نالا ہے
بیٹھیں گھر کے پانچ چھ چھپر — ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پر
پر تلک تنکے تھے کچھ ایک نئے — سو وے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے
دل ہے کچھ مکڑیوں کا احسان مند — کہ جنھوں نے کئے ہیں جھانکے بند
پھوس کچھ ہے کہیں سو آٹا ہے — بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے
اڑ گئی گھاس مٹی ہے ڈالا — ہے جو بندھن سو مکڑی کا جالا

اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے — ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے
کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو — باندھتا ہوں مچان رہنے کو
بند جھانکوں کو کیجیے تا کے — یاں تو اک آسمان ٹوٹا ہے
ٹھیکے دینے کو جا اڑے ہیں ہم — سر پہ ٹھٹر لیے کھڑے ہیں ہم
ٹٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے — بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے
تا گلے سب کھڑے ہیں پانی میں — خاک ہے ایسی زندگانی میں
اب تو اپنا بھی حال ہے بدتر — سر پہ گٹھری ہے تس پہ ہے چھپر
پانی بہہ کر جھکا ہے جو دالان — سر پہ رہتا ہے طرۂ ایوان
چاک اس ڈھول سے ہے ہر دیوار — جیسے چھاتی ہو عاشقوں کی فگار
متصل ٹپکے ہے شب باراں ہے — گریۂ زار سوگواراں ہے
گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے — چھت بھی بے اختیار روتی ہے
یلنھ یکبارگی جو ٹوٹ پڑا — کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
داسے پایان و کار ٹوٹ گئے — طاقچے بھر رہے تھے پھوٹ گئے
بہ گئے گولے تختے ڈوب گئے — غرض اجزائے سقف خوب گئے
موج خستی ستون میں پیٹھی — جانِ غمناک خون میں بیٹھی
لے گیا پیچ و تاب پانی کا — کوٹھری تھی حباب پانی کا
یوں دھنسا گھر کہ بار خاطر تھا — آہ کس کا غبار خاطر تھا
اکھڑی دہلیز سب منڈیر گری — لہر پانی کی جھاڑ دیتی پھری
ساری بنیاد پانی نے کاٹی — اینٹ کے گھر کو کر دیا ماٹی

جھک گئے سب ستون در بیٹھا / وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا

جب اجاڑے پہ آ کے چھت ٹھہری / ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھہری

آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں / کسو ٹٹی پہ بیٹھ کر نکلیں

دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب / بے کنارہ یہاں سے کرنا خوب

سن کے ہر اک کے جی میں در آیا / خاطروں میں یہ حرف ٹھہرایا

گٹھری کپڑوں کی میں اٹھائی تھی / سر پہ بھائی کے چارپائی تھی

بوجھ کپڑوں کا جن نے باندھا تھا / اُس کا سارا ڈگاہ کاندھا تھا

ساتھ کوئی چراغ لے نکلا / کوئی سر پر اجاغ لے نکلا

چھاج کی کر کے کوئی اوٹ چلا / پنکھ کے مارے کوئی لوٹ چلا

مُنہ پہ چھلنی کو ایک نے دھر دیا / ایک نے سرکی کا کیا گھوپا

ایک نے چھینکے حال حال لیے / پائے پٹی گلے میں ڈال لیے

ایک نے بوریا لپیٹ لیا / اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا

اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر / اَلگنی سب کے ہاتھ میں دے کر

صف کی صف نکلی اس خرابی سے / تا کہ پہنچیں کہیں شتابی سے

میر جی اس طرح سے آتے ہیں / جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں

جن نے اس وقت آنکھ کو کھولا / ہنس کے بے اختیار وہ بولا

سُن کے اس بات کو نراسے ہم / بارے اک بھائی کے گھر آئے ہم

تب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب / نہیں ملتا ہے گھر بقدر حباب

جس میں خوش یک نفس معاش کریں
طور پر اپنے بود و باش کریں

مثنوی در مذمّت برشگال که باران دراں سال بسیار شده بود

کیا کہوں اب کی کیسی ہے برسات
جوش باراں سے ہو گئی ہے بات

بوند تھمتی نہیں ہے اب کی سال
چرخ گویا ہے آب دہ غربال

رہی یکساں اندھیرے سے ہے
آسماں چشم دائم تر سے ہے

ماہ و خورشید اب نکلتے نہیں
تارے ڈر سے چھپے اپنے جھلکتے نہیں

آب میں کوئی بولتا ہی نہیں
آسماں دیدہ کھولتا ہی نہیں

چرخ تک بڑھ گیا ہے پانی جو
ماہ و ماہی ہیں ایک جا ہر سو

لے زمیں سے ہے تا فلک غرقاب
چشمۂ آفتاب ہے گرداب

خشک جو اب کی بار سبز ہوئے
موش دشتی کے خار سبز ہوئے

ابر کس کس سیاہ مستی سے
ہوتے جاہیں بلند و پستی سے

لڑکوں نے کی زمانہ سازی ہے
خاک بازی اب آب بازی ہے

ابر کرتا ہے قطرہ افشانی
پانی پانی رہے ہے بارانی

تنگ آبی سے جان مت اغراق — ڈوبنے پر ہے کشتئ آفاق

عقل مینہوں نے سب کی کھوئی ہے — بات باراں نے یاں ڈبوئی ہے

کیسا طوفان منہ پہ چھایا ہے — زخم دل نے بھی آب اٹھایا ہے

بیٹھے اٹھتے نہیں ہیں بام و در — یہ خرابی ہے شہر کے اندر

سقف آماج بوند پیکاں ہے — مینھ ہے یا کہ تیر باراں ہے

جیسے دریا اُبلتے دیکھے ہیں — یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں

ابر رحمت ہے یا کہ زحمت ہے — ایک عالم غریقِ رحمت ہے

لے گئے ہیں جہان کو سیلاب — نقشہ عالم کا نقش تھا بر آب

نہ ہے جلسہ نہ ربطِ یاراں ہے — شہر میں ہے تو باد و باراں ہے

روز و شب یاں ہمیشہ جھمکا ہے — ان دنوں رنگِ برق چمکا ہے

بڑی بوندوں کی چوٹ سے ڈریئے — سنگباراں جہاں ہو واں مریئے

پڑھتے ہیں یاد و دوس حیرانی — آرسی کے بھی گھر میں ہے پانی

آدمی ہیں سو کب نکلتے ہیں — مردم آبی پھرتے چلتے ہیں

کتے ڈوب گئے کہاں ہیں اب — سگِ آبی ہی ہیں جہاں ہیں اب

وسعتِ آب پوچھ مت کچھ یار — کوچے موجوں کے ہو گئے بازار

معبد اب سارے گرتے آتے ہیں — زاہد خشک ڈوبے جاتے ہیں

تھا ٹھہرنا برابر اُن کے شاق — مسجدوں میں کیا ہے استغراق

مینھ تو یاں اب لگے ہی رہتے ہیں — سارے عالم کے کان بہتے ہیں

غرق ہے چڑیا اور گلہری ہے — خشکی کا جانور بھی بحری ہے

مینھ از بسکہ بہہ رہا ہے گا — اک جہاں کو ڈبو رہا ہے گا

شعر کی بحر میں بھی ہے پانی — بہتی پھرتی ہے اب غزل خوانی

لائی پائندگی کی چالاکی — آب خشکِ گہر پہ تمنا کی

ہے زراعت جو پانی سے مارکی — ہو گئی آبجست تمہ کاری

آب ہے گا جہاں کے سرتاسر — خوف ہے سوکھتے ہے میوۂ تر

مست ہو ہو گئے ہیں مست شراب — غوطے کھاتے پھرے ہیں عالم آب

مستی ہے اب جو چاہیں سیر آبی — بطے تو ہوئی ہے مرغابی

دست غم اس قدر بہ طغیان ہے — کہ ہر اک گوشہ بیچ طوفان ہے

سیل دیکھے ہے کوہساران کی — لیلئے کشتی گدا ہیں باران کی

جو زدہ جس کا تا فلک جا ہے — جو ہے تالاب نہر دریا ہے

ہر طرف ہیں نظر میں ابر سیاہ — پانی ہے جس طرف کو کرئیے نگاہ

سینہا در دکانِ دیدۂ ماست — چشم تا کار میکند دریاست

پانی عالم کے تا بسر ہے گا — خشک مغزوں کا مغز تر ہے گا

خضر کیونکر کے زیست کرتا ہے — آب حیواں میں پانی مرتا ہے

لکھے کیا میر مینھ کی طغیانی

ہو گئی ہے سیاہی بھی پانی

مثنوی در ہجو نااہل مسمّٰی بہ زبان زدعالم

سنو اے اہل سخن بعد از سلام — چھیڑتا ہے مجکو اک تخم حرام

پر نہیں مرغی کا گو وہ طیسر ہے — وہم میں شہباز کا ہم سیر ہے

کام مجکو کچھ نہیں ہے اور سے — بلکہ اس بھی طرز سے اس طور سے

شاعری کو میری ہر گے جانتے — تم چنانچہ سب مجھے ہو مانتے

میں ہمیشہ سے رہا ہوں باوقار — کن دنوں تھا ہجو کا کرنا شعار

گر کنھوں نے کچھ کہا میں چپ رہا — ہجو اس کی ہو گئی اس کا کہا

کیا ہوا گر چاند پہ پھینکے ہیں خاک — پڑتی ہے اُن سب کے منھ پر میں ہوں پاک

رہیو شاہد کچھ نہیں میرا گناہ — مدعی بے ہیچ ہے یہ رُو سیاہ

تھا تحمل مجھ کو میں درویش تھا — دردمند و عاشق و دلریش تھا

پھر کروں کیا لاعلاجی سی ہے اب — غصے کے مارے چڑھی ہے مجھکو تب

ایسے کتنے ہیں جواب شاعر منے — مدتوں یہ لونڈے آئے مجھ کنے

ایک باتوں سے مری آدم ہوا | اک نظر سے شہرۂ عالم ہوا
ایک نے دیواں کی میرے نقل لی | اس دوانے کی کنھوں نے عقل لی
ایک میرے طرز پر کہنے لگا | دوسرا بیر و مرا دہنے لگا
سارے عالم میں ہوں میں چھایا ہوا | مستند ہے میرا فرمایا ہوا
دور سے کرتا ہوں نیچا سب کی دید | کوئی سر کھینچو ہے میرا مستعید
کوئی بے تہہ گو نہ جانے میری قدر | پائیں ہے پائین آخر صدر صدر
ہے گی شخصیت خدا کی اور سے | ہاتھ کب آوے ہنر کی زور سے
ایک نچا دے جو اک عمدہ کو بھوگ | تو اسے کیا کچھ طرف جانینگے لوگ
جو بڑے ہیں وے ہی آخر ہیں بڑے | ایسے کچے بہت پھرتے ہیں پڑے
شہر میں آیا میں بعد از بست سال | گم تھا یاں سر رشتۂ قال و مقال
کسب جو کرتے تھے یہ فن شریف | ان میں سے کوئی نہ تھا میرا حریف
کتنے اک نو مشق تھے گرم سخن | سو بچارے آپ ہی ناآگاہ فن
مدعی میرا ہوا یہ بے ہنر | مردۂ صد سالہ سا بے نور تر
کاسہ لیس مایۂ خبث و حسود | قلیۂ دہ روزہ سے بھی بدنمود
آتے اچھا ہے جو اس کو روک دو | ورنہ منھ دیکھو تو دو ہیں اوک دو
باپ اس کا سخت ناداں نادرست | کوڑھی کی سی گندی بلّی قاق و سُست
ایک جا آیا شتر قد گھر گیا | واں شتر غمزہ سا مجھ سے کر گیا
رہ گیا میں پی کے لوہو کا سا گھونٹ | یعنی دیکھوں بیٹھے ہے کس کل یہ اونٹ
اس تحمل پر نہ کی مطلق نظر | خار پہلو کا ہوا ہر جا پھر

جب لگا ہے ناچنے مستی سے خوب
تب لیا میں نے قلم کے زیر چوب

مستی اس کی ساری اب جھڑ جائیگی
دھوم ساری گلیوں میں پڑ جائے گی

جب بڑوں سے مار نا ہموار کھائیں
کج خرامی سے تب اپنی باز آئیں

راہ سیدھا ہو کے چلتا ہے بلے
اونٹ جب آیا پہاڑوں کے تلے

اونٹ کی خلقت پہ ہے قدرت کو ناز
اس کی خلقت کم ہے کیا اے بے نیاز

ہیئت اُس کی مضحکہ ہے سوانگ ہے
جیسے عوج بن عنق کی ٹانگ ہے

سر کے تئیں اس کے جو دیکھوں کر نگاہ
بانس پر ایک اوندھی ہانڈی ہے سیاہ

تیرہ رو مضحک سراپا زور ہے
دُم اگر ہو وے تو پھر لنگور ہے

شکل و صورت دیکھ کر حیران ہو
بچگیاں سب مل کے لگ لگ ہی کہو

بیٹھے تو بیٹھا ہے گویا ہوشیار
آتے جاتے جاویں اس کو جوتے مار

چال جب چلنے لگے سر جھاڑ کر
پاؤں کو پیچھے رکھے منہ پھاڑ کر

بال و پر رکھتا نہیں بے پاؤں سر
ورنہ تھا یہ بھی عجائب جانور

ایک دن بیٹھے تھے یاں ذات شریف
وارد اس دن ہو گئے کتنے ظریف

ایک بولا دیکھ کر حیران ہو
یہ جزائر کا کوئی حیوان ہو

یاں تو ایسا جانور دیکھا نہیں
سر کہیں ہے پاؤں اُس کے ہیں کہیں

ایک کے آیا گھوڑا وہم میں
ایک کے ہو ور سواری فہم میں

ایک نے ہنس کر دیا اس کو ڈھکیل
اور بولا اے تری قدرت کے کھیل

کیسا اعجوبہ نیا پہونچا ہے یاں
پوچھ ہو تو ہے شتر مرغ کلاں

ایک بولا کر کے چشمک میری اور
واہ صاحب جانور پالا ہے زور

ایک دن باہر تو ہولے کر کھڑے — یہ اچھنبے یوں نہیں رہتے پڑے
جلائے اُس وحشی کا ٹک وسواس بھی — چوک بھی ہے پاس یہ نسناس بھی
اُس کو یاروں نے غرض کیا کیا کہا — لیک یہ خرنا مشخص ہی رہا
یہ جو ہے موشک دوان و شورہ چشم — موش شتی چہرہ و شبکورہ چشم
بے سبب سرگرم کیں ہم سے ہوا — مُستحقِ لعنتِ عالَم ہوا
چل قلم اب ہے ارادہ جنگ کا — پاس کب تک کیجے نام و ننگ کا
یاں زبردستوں کو دعویٰ کھا گیا — یہ چھپا رستم کہاں سے آگیا
ناقباحت فہم کو دعوے بڑا — ہو کے تنکا سا پہاڑوں سے اڑا
ہاتھی کی لکہ کو ہاتھی ہی اٹھائے — چیونٹی کا کیا جگر جو منھ پہ آئے
جنگ ہاتھی کی ہو گو اُس کو ہوس — پر اُسے ہے موت کا ریلا ہی بس
ایک دھکے ہیں کہاں وہ کامنی — پر ہولنے کی سی ہے اس کی ضامنی
ہیں لئے پاس اس کا کیا حد سے زیاد — پر کمی کرتا ہے یہ ابن زیاد
قبلہ کہتے کہتے پاجی ہو گیا — پاس ظاہر چھوڑ پاجی ہو گیا
رشک شہرت سے مری مرنے لگا — میری عزت کا حسد کرنے لگا
لگ گئی چپ اس کو میرے شور سے — یہ نہ سمجھا ہے خدا کی اور سے
یہ قبول خاطر و لُطف سخن — دے ہے کب سب کو خدائے ذوالمنن
ایک ہی دو ہوتے ہیں خوش طرز و طور — اب چنانچہ میر و مرزا کا ہے دور
خصمی وہ کریئے کہ ہو معقول خلق — لے انکھوں سے جو کہ ہو مقبول خلق
دشمنی تھی اُس کو مجھ سے کیا ضرور — حیف ایسی عقل لعنت یہ شعور

ہوں جو میں پر تو فگن تو ہے یہ کیا — نور کے آگے ذرہ کب ٹھہرا رہا

خون دل آشام ہیں جو صبح و شام — دے کبھی لیتے ہیں ادب سے میرا نام

یہ مری رہ کا نہ حائل ہو سکے — یہ موئی جوں کیا مقابل ہو سکے

ہیں بنے الٹی اجگروں کی دم میں صف — ادھ موئی سے چھپکلی کیا ہو طرف

رکھتی ہے میری شرافت اشتہاد — گو یہ ناسعید سگی ہے کیا چمار

ہجو کی جو اُن نے میں کیا دبہ گیا — بھونکنے پر سگ کے ہاتھی کب گیا

ننگ ہے میری توجہ اس طرف — حیف ہے میلان دریا سوئے کف

وار دوستی سے ہے اُسکے مجھ کو شرم — تب تو میں باتیں کروں جوں نرم نرم

ان عزیزوں کا نہایت پاس ہے — ورنہ یہ ملعون کیا کناس ہے

جو نہ سمجھا تیغ خامے کی ہے پاس — کاٹوں گا یوں جس طرح کٹتی ہے گھاس

جب سے لے آیا قدم اپنا یہ شوم — تب سے ویراں ہو گئی یہ مرز بوم

ایک بدیمنی ہی ہے گی بوم میں — لطف وہ پاتے ہیں ہم اس شوم میں

دیدنی ہے قدرت رب ودود — ایسی اچرج کم ہی ہوتی ہے نمود

کیا کمی ہے یہ جو عزت کم کرے — گو نہ شیطاں سجدۂ آدم کرے

کرتی ہے تعظیم میری کائنات — لعنت اس پہ ہوتی ہے دن اور رات

یا بلا ہے یہ سبج ..... گزک — میرے دتکارے گئے چھیڑے ...

میری ہیبت سے نکل جاتا ہے موت — دشمنی کی اُن نے اپنی ما ...

بیت کہنا چاہتا ہے سو ہنر — شاعری سمجھا تھا کیا خالہ کا گھر

نابالک ہی نہیں سادہ بھی ہے — اُلّو ہے اور الّو کی مادہ بھی ہے

عقل سے کس طرح ہووے بہرہ ور　　ہے کمو حافظ کا نطفہ یا چہ خر
پر وہ حافظ جو ہو قرآں خوانِ تبر　　اس سے لیں کار تلاوت گو بہ جبر
جھڑ گیا ہووے دماغ اُس کا تمام　　پڑھتے پڑھتے شور ہے ہر صبح و شام
وہ خرف جو دوسے جا یک جا ہوا　　ایسا اُلّو ماخرا پیدا ہوا
دیکھ کر ان کے خرامی ہائے سرو　　ایک کوّے نے کی تقلید تدرو
کود کر چلنے لگا آخر کو راہ　　اپنی بھی رفتار بھولا روسیاہ
کانسکے ہو دیں محذر شیخ و شاب　　چھوٹے سے منھ جو بکائے کیا ہے باب
گو کہ یہ　کرے کیا مال ہے　　آگے میرے . . . . کا سا بال ہے
چاہوں گا جب پھینک ہی دوں گا اکھاڑ　　ایسی . . . سیکڑوں ڈالی ہیں جھاڑ
بد نمائی اُس کی ہے بے ساختہ　　کیا ہے یاں میش بچہ انداختہ
دیکھ اُسے یاد آوے قدرت کاملہ　　کیا بلا ہے مادہ خوکِ حاملہ
گرگ گردن خوک چشم و خوک سر　　غول صحرائی کا بچہ ہے مگر
چار سکھیاں کہہ کے شاعر بن گیا　　اس فن مشکل کا ماہر ہو گیا
باپ کو اُن نے بنا رکھا ہے ادت　　ہیں کہاں ایسے سعادت مند پوت
کم ہوا ہے گا جو اُس کا زور پا　　جانتا ہے اُس کو پیری کا عصا
کچھ نہیں معلوم اس کو سرکار　　تب تو ٹھہرایا ہے اس کو رازدار
اس زنازادے نے جو لب وا کیا　　پہلے ماں کا راز ہی رسوا کیا
ایک ہی شب کے تئیں جلوا دیئے　　یار ماں کے باپ کو دکھلا دیئے
پھر حقیقی باپ سے جا کر ملا　　اس مجازی کا کیا اس سے گلا

پیسے اُس کے کھا کے جب کٹّا ہوا　　یاں کسی تقریب آ پیدا ہوا

تب سے روز و شب اسی کے ساتھ ہے　　اس خرف کی ڈاڑھی اُس کے ہاتھ ہے

بس قلم نفریں ہے میری بس اُسے　　ہے دماغ بحث پاجی اب کسے

رکھ زباں کیدھر گیا تیرا مزاج

پوچ گو بہتیرے پھرتے ہیں بواج

ما بجو عاقل نام کسے کہ بسگاں
انسے تمام داشت

اک جو بچر کو رزق کی وسعت سی ہو گئی — تنگی کی حوصلے نے تو رجعت سی ہو گئی

کتوں کے ساتھ کھانے لگا کتوں سے معاش — چچڑی کی طرح شام و سحر کتوں کی تلاش

پاکیزگی طبع و لطافت وہ ہر طرف — کتا بغل میں مارے لگا پھرنے ہر طرف

دیکار و کتے کو تو لہو اپنا وہ پیئے — ہے اُس کی استخوان شکنی کتوں کے لیے

یار جھوٹے ہاتھ کتے کو مارا نہ تھا کبھی — یا کتوں سے چمٹا یا ہے اب اپنے مُنھ کو بھی

کتنے ہیں پاس کتنے ہیں جیب و کنار میں — کتنے ہیں آستینوں میں کتنے ازار میں

آیا جو ایک روز وہ بے تہہ چھلا ہوا — کتا ازار اُس کے سے نکلا بندھا ہوا

یک سگ گزیدہ کی سی طرح جھومنے لگا — پھر کھول اس کے مُنھ کے تئیں چومنے لگا

ایسی کبھی ہم نے دیکھی نہیں کتوں کی ہوس — گردن میں اپنے ڈالے پھرے روز و شب مرس

تکتا ہو جس کے ہاتھ میں یہ اس کا یار ہے — جیسے سگ سرائے سگ ہر سوار ہے

کتوں کی جستجو میں ہوا روڑا باٹ کا — دھوبی کا کتا ہے کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

تھکتا ہے پھر جو کرتے ہوئے دوڑ اور دھپاڑ — لیتا ہے بے دماغ ہو لوگوں کے کپڑے پھاڑ

جو ہڈیوں پہ لڑتا رہا ہو بسانِ سگ
ہو آدمیت اس کو بھلا کس مقام تک

انسان کو انس کتنے سے اتنا ہوا ہے کب
ناپاک اس کو جانتے ہیں پاکیزہ لوگ سب

اصحاب کہف کا بھی جو سگ ہو تو ہے وہ سگ
نجم الدین کے بھی کتے کو کتا کہے ہے جگ

کر سگ تخلص اپنا جو آیا بروے کار
اکراہ سگ لوند سے کرنے لگا دیار

رہتے نہیں نفور تو سگبانِ بے شعور
کھاتے ہیں وہ بھی کہنے ہیں کتے کو دور دور

کیا جانئے کہ یہ کہہ سگ کیا متاع ہے
بازار میں جو دیکھیے ہے سگ کو متاع ہے

آدم گری اڑا دکھی حرف و سخن گیا
دیکھا جو خوب تو سگ دیوانہ بن گیا

دم لابہ جو دبے تو لگے کرنے بد خصال
دورِ دگر نہ کاٹنے کو کتے کی مثال

کمبخت یہ غریب جو مردہ سا پائے یہ
مرگھٹ سے کتنی کی طرح پھاڑ کھائے یہ

در مدعی ہو تک بھی قوی دل قوی نصیب
پھر آگے اس کے سوکی جیسے بلی ہے یہ غریب

رہتا ہے سخت شیفتہ کتوں کے بال کا
پلا یہ ہے کہے تو کسی کتے والے کا

کتوں کی لے کے زرد سیاہ و سپید پشم
کس کس طرح سے دیکھتا ہے وہ آب داب چشم

کتوں کے شوق میں جو یہ آتش ہے زیر پا
کہتا ہے اس کو اب سگ پا سوختہ بجا

اس کی پلیدی شہرۂ ہر شہر میں رہی
کتے کے کاٹنے کی سی اسے لہر ہی رہی

دلی میں تین کتیاں کہیں لے کے پالیاں
ہمسایوں کی جھنجھوں کے لیے کھائیں گالیاں

وہ مر گئیں تو دیر رہا روتا غمزدہ
پشتی کے پیچھے پھر رہا تک ستمزدہ

لونگی کا گرم غم جو رہا سوکھ نخ ہوا
برفی کی تعزیت میں سگ روئے یخ ہوا

بلی جو پالتا تو بھلا ایک بات تھی
آئین میں اس کی دوستی ایمان کے ساتھ تھی

توران کے لوگ ہو دیں کہ ہوں اہل اصفہاں
کتا تو کشتنی ہے سب اسلامیوں کے ہاں

جس کو خدا خراب کرے پھر وہ کیا کرے
کیوں کر نہ زباں نکالے نہ جوں سگ پھرا کرے

آواز دے دے کتوں کو توڑے ہے اپنی جان
مر جائے گا یہ بھونکتے ہی بھونکتے ندان

ہے بسکہ سگ پرست مرے گا جو یہ دنی
توشے میں اس کے ہوگا نہ کچھ غیر سگ کُنی

کتوں کے پیچھے پھرتا ہے گلیوں میں در در ہو
یہ سب ہے اس لیے کہ ہر اک جائے شور ہو

اس وضع ساختہ کے ہوں احمق فریفتہ
بہرہ ہے جن کو عقل سے وہ کیوں ہوں شیفتہ

ہے اس طرح کے معرکہ گیروں سے پُر جہاں
بہتیرے ایسے کُتّے نچاتے پھرے ہیں یاں

صحبتیں جب تھیں تو یہ فن شریف | کسب کرتے جن کی طبعیں تھیں لطیف
تھے تمیز و درمیاں انصاف تھا | خار و خس سے کیا یہ عرصہ صاف تھا
دخل اس فن میں نہ تھا اجلاف کو | کچھ بتاتے تھے بھی سو اشراف کو
تھے جو اس ایام میں استاد فن | ناکسوں سے دسے نہ کرتے تھے سخن
پھر حصول اس سے نہ دنیا ہے نہ دین | کوئی حاجت اس سے وابستہ نہیں
گر چمار اس کارخانہ میں نہ ہو | ٹوٹے جوتے کو کہاں لے کر پھرو
چمار دناچار اس کنے جانا پڑا | گو زیاں دے جوتی گٹھوانا پڑے
حاجت اس فرقے سے مطلق یاں نہیں | جو نہ ہو شاعر تو کچھ نقصاں نہیں
یہ تو دنیا ہیں ہے اس فن کا کمال | دین کا اس فرقے کے پوچھو نہ حال
کذب ہو جس جائے رونق بخش جمع | واں کی دینداری دکھو اور دلکو جمع
جھوٹ آوے اس قدر جب درمیاں | کو یقیں ایمان کیسا دین کہاں

ہم تلک تھی بھی وہی رسم قدیم
یعنی جن کے ہوتے تھے ذہن سلیم

پیار کرتے تھے اُنھیں اُستاد فن
ان کے ہوتے رہبر راہِ سخن

جلف واں زنہار پاتے تھے نہ بار
شاعری کا ہے کو تھی اُن کا شعار

نکتہ پردازی سے اجلافوں کو کیا
شعر سے بیزاروں ندافوں کو کیا

الغرض یاروں نے قید یہ دی اُٹھا
جو کوئی آیا اُسے دی پاس جا

تک نہ استعداد سے کی گفتگو
کچھ نہ رکھی شاعری کی آبرو

چار سکھیاں کہہ کے دیں ناکس کے ہاتھ
پھر اُسے مجلس میں لائے اپنے ساتھ

آپ بیٹھے مسند میں وہ دستِ چپ
کرنے لاگے شاعری سے حرف گپ

بولے ان کو آج کل سے ہے خیال
ذہن اُن کا تیزی رکھتا ہے کمال

ہو رہیں گے کچھ اگر صحبت رہی
اور ہم سے بھی اُنھیں الفت رہی

جب ہوا ثابت وہ ان کا مستفید
سب نے جانا ان کو شاگرد رشید

کی اشارت تا کہ وہ کھولے دہن
آگے اُستادوں کے ہو گرم سخن

اُن کے ایما سے وہ کچھ پڑھنے لگا
صاحبان فن کے مُنہ چڑھنے لگا

نیم قد اُٹھ اُٹھ کے یہ سننے لگے
جاؤ بیجا سر کے تئیں دُھننے لگے

وہ سراپا جہل ناآگہ وقت کار
ہم سے تم سے کرنے لاگا اعتذار

سر میں رکھ کر دعویٔ طبع لطیف
میر و مرزا کا ہوا آخر حریف

کیسی یوں گئیں طبعیں بباد
آفریں شاگرد و رحمت اوستاد

جب تلک یہاں تھی تمیز زشت و نیک
کا ہے کو بولے شعر کہتا تھا ہر ایک

اہل فن کی رہتی تھی سب کو تلاش
اُن کے ہاں کرتے تھے جا کر بود و باش

جو کہ خود سر رکھے اُستادوں سے عار　　اُن کے تئیں ہرگز نہ ہوتا اعتبار

زندگی بلکہ انھوں پہ شاق تھی

ہاتھ گر لگ جاتے تھے شلاق تھی
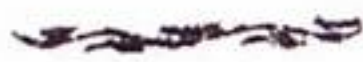
حکایت

شائقِ فن تھا وزیرِ اصفہاں — ایک دن آیا ہلالیؔ[1] اُس کے ہاں

حاجبان در سے ہوا آگاہ کار — کی اشارت تا اسے دیں جلد بار

عزت و تعظیم کی حد سے زیاد — پاس لے مسند پہ بٹھایا شاد شاد

اُن نے کھینچی اُس کی مرزائی بہت — بیٹھے بیٹھے رات جب آئی بہت

شعر کی تقریب لا کر درمیاں — کرنے لاگا شاعری کا امتحاں

شعر خوانی کی پڑھا سو تھا غلط — سنتے ہی بھڑکا وہ شعلہ کی نمط

غصہ ہو بولا کہ ہاں فراش و چوب — کھینچ لا میداں میں کی شلاق خوب

اس قدر مارا کہ بے دم ہو گیا — سوج دست و پا ہر اک تخم ہو گیا

---

[1] ہلالی استرآبادی ان کا کلام فصیح ہے۔ عہدِ جوانی میں خراسان چلے گئے تھے۔ عبداللہ خاں ازبک کے زمانۂ تسلط میں ۹۳۶ھ میں قتل کیے گئے۔

کھینچ کر ڈلوا دیا دربار میں
یہ خبر پہونچی جو ہر بازار میں

وارث اُس کے لے گئے اُرات کو
جب بخود آیا تو پایا بات کو

یعنی دستورِ زماں دشمن نہ تھا
یا وہ کچھ ناآشنائے فن نہ تھا

غالبًا پایا غلط اشعار کو
خوش نہ آیا اُس کرم کردار کو

ورنہ شیوہ اُس کا ہے لطف و کرم
جائزے میں شعر کے ہے دینار و درم

مجھکو کیوں شلاق کرتا اتنی شب
کاہے کو بدنام ہوتا بے سبب

پس مجھے ہے تربیت اپنی ضرور
جاکے بیٹھوں اک سرآمد کے حضور

صحبت اکثر رکھوں اُس استاد سے
شاید اس کی دولت ارشاد سے

پہونچے اک رتبہ کو میری قیل و قال
ہو مجھے اس فن میں یک گونہ کمال

اُٹھ کے آیا مولوی جامی کنے
مشق کی یک چند اس نامی کنے

جب ہوا کچھ شعر کا رتبہ بلند
اور مولانا لگے کرنے پسند

پھر گیا اک دن دربِ دستور پر
حاجب درگاہ نے کی جا خبر

کالے امیر اس روز کا شلاق خوار
آج در اوپر ہے پھر خواہانِ بار

کی اشارت سدِّ رہ کوئی نہ ہو
قصد ہے برخوردکا تو آنے دو

سامنے آیا تو کی نیچی نظر
دھوپ میں جلتا رہا تو اک پہر

بعد اذاں ایماے ابرو کی کہ ہاں
صحن ہی میں سے ہوا مدح خواں

پھر وہیں سے دے صلہ رخصت کیا
اک مصاحب نے جگر کر کے کہا

اگلی صحبت کی تھی عزت اس قدر
سو ہوئی شلاق حد سے بیشتر

اب کی اُس کو جائزہ دیکر گراں
تو نے فرمایا رخص واں سے واں

میں نہ سمجھا یہ کہ وہ کیا تھا یہ کیا — در جواب اس برگزیدہ نے کہا

ایسی ہی ہوتی ہیں تضحیک سلف — دسترس ہو تو اُن کے تئیں کرلے تلف

اس قدر اس کا تنبہ تھا ضرور — تا کہ پہونچے یہ خبر نزدیک و دور

جو سُنے سو خودسری سے باز آئے — تربیت ہونے کو استادوں کی جائے

ورنہ کرتا پوچ گوئی ہر دبنگ — رفتہ رفتہ شاعری ہو جاتی ننگ

تب جو میں شلاق کی یہ خام تھا — اب جو آیا لائق انعام تھا

قصہ کوتاہ تھی تمیز درمیاں — ننگ ہے کرم مزابل پہ بھی یہاں

بے تمیزی سے ہے رائج ابتری — جس کو دیکھو خود نمائی خودسری

نے بیاں کا ہے سلیقہ نے زباں — اس پہ ہے ہر ایک سُبحانِ بیاں

بس قلم وقت زباں بازی نہیں — چپ کہ دوران سخن سازی نہیں

کون حرفِ خوب کو کرتا ہے گوش — بات کی فہمید کا ہے کس کو ہوش

بے تمیزوں سے بھرا ہے سب جہاں
ہے دماغِ حرف ہم کو بھی کہاں۔

مثنوی اژدر نامہ

یہ موذی کئی ناخبردار فن
نئی ناگنیں جن کے ٹیکوں پہ پھن

نہیں جانتی ہوں میں مار سیاہ
زبانہ ہے آتش کا میری نگاہ

نفس ہے مرا افعی پیچدار
گیا جس سے خصم قوی من کو مار

جدھر بھر نظر دیکھوں لگ جائے آگ
دم دم گھٹی لب پہ کھیلیں ہیں ناگ

جہاں میں ہوں وہ جا ہے پر شر و شور
عصا سے چلے راہ واں مار و مور

مری آنکھ سے زہر ٹپکا کیا
جلا آگے میرے کھبو کب دیا

سُن اس ماجرے کو سبھوں نے کہا
کہاں کیچوے یہ کہاں اژدہا

نہ خصمی مری اژدروں سے ہوئی
طرف تجھ سے ہو جونک کیا ادھ موئی

اگر شور زغاں سے ڈر جائے مار
تو کیا اجگروں کا رہے اعتبار

بکس طور اژدر کو تلواسہ ہو
حریف اس کے سوکھی سے چلپاسہ ہو

کہاں چھپکلی اژدہے سے لڑی
کس اژدر پہ ایسی قیامت پڑی

ہزاروں جگر اندوہ سے جائے لٹ | دلے ایسے کیڑے مکوڑے ہیں چپٹ

جہاں شور اژدر سے ہے دھوم دھام | کوئی کنسلائی سے نکلے ہے کام

بہ ظاہر یہ لائے تو ہیں پر نکال | ولے ہوں گے ان کے جیوں کے وبال

حریفی انھوں سے ہو اژدر کی کب | وہ کھینچے جو یکدم تو پھنکا ہیں سب

حکایت بعینہ یہ دل سے ہے مستحضر | سر راہ کہتا تھا جو اک فقیر

کہ تھا دشت میں ایک اژدر مقیم | درندوں کے تھی دل تھے اس سے دو نیم

نکلتے نہ تھے اس طرف ہو کے شیر | پلنگ و نمر واں نہ رہتے تھے دیر

جہاں شیر کا زہرہ ہوتا ہو آب | شغال اور روبہ کا واں کیا حساب

وہ صحرا تھا اس کے سبب ہولناک | دم اس کے لئے واں کی اڑاتی تھی خاک

نکلتا تھا جب بہر برگ و نوا | شجر کے شجر ہوتے تھے تب ہوا

کہاں سایہ اس جا و سبزہ کہاں | درخت اُس کے چھانٹے رہے تھے نہ واں

صدا جب مہیب اُس کی ہوتی بلند | جگر چاک کرتے ہوا سے پرند

درندوں کے پر جا نہ رہتے حواس | چرندے مکانوں سے ہوتے اُداس

وحوش اس بیاباں میں جاتے نہ تھے | طیور آشیانوں میں آتے نہ تھے

کبھو اُس کی رہ میں جو اٹھتا غبار | تو وہ دشت تھا ایک تاریک غار

پہونچتا تھا گردوں تلک شور و شر | ہوا صاف ہوتی نہ دو دو پہر

رہا کرتی کوسوں تلک اس کی دھوم | نہ اُس راہ آتا کوئی جز سموم

ہوئے ساکنان بیاباں بتنگ | اُٹھے کوہ و وادی سے شیر و پلنگ

گئے جان لے لے وحوش و طیور | کوئی رہ گیا موش و مینڈک سا دور

گئی لومڑی ایک سوکھی ہوئی | کسو ادر جنگل میں بھبوکی ہوئی

لگی ہیں جو یاں کے کھلنے اُس کے لب | ہوئی واں کی ایمان گرم غضب

خراطین و خرموش و موش و شغال | اس اژدر کو کہ جس اپنی خیال

رواں ساتھ اُس کے شبانہ ہوئے | کئی گرگٹ آگے روانہ ہوئے

رعونت سے مینڈھک اچھلتے چلے | بلوں میں سے چوہے نکلتے چلے

قریب اس بیاباں کے جس دم گئے | اکھڑوں میں سے آگے بہت کم گئے

قضا را وہ آفت تھی سرگرم سیر | چلے آتے تھے بھاگتے وحش و طیر

اس آشوب سے دست و پا گم گئے | فراموش سب نے سر و دم کیے

لگا ڈرنے خرموش سا پہلوان | ہوا مضطرب کیچوا سا جوان

وہ گرگٹ کہ جس کو تھی گردن کشی | ہوئی خوف سے اُس پہ طاری غشی

قدم خوک سے گرد کا جس گیا | بھروسہ تھا گیدڑ پہ سو ٹل گیا

جہاں پہلواں موش رستم معاش | لگا کرنے میدان میں بل تلاش

کہ سوراخ پا دے تو روپوش ہو | یہ تشویش یکدم فراموش ہو

وے چھوڑتا کب ہے خصم قوی | کہ ہو خوف جاں سے کوئی منزوی

پراگندگی تھی اس انبوہ میں | کہ گویا بلا ہے سیہ کوہ میں

اس آواز سے جی نکل ہی گئے | جو ثابت قدم تھے بچل ہی گئے

سیہ جب ہوا ہو گئے منہ سفید | ہوئے مدعی جان سے نا اُمید

پھرا ایک دم اُن نے وا کر دہاں | کہ پایا اُس انبوہ کو نیم جاں

بچا اُن سے نہ کوئی رہا | رہی دشت خالی رہی اژدہا

زبانہ وہی آگ کا چار اور ہوا گرم ویسی ہی ویسا ہی شور
وہی دم کشی شام سے تا سحر اُسی ہولناکی سے وہ دہشت و ڈر
گئی یہ خبر جس بیابان میں رہی شدھ نہ کچھ واں کے سُکّان میں
کنھوں نے کبھی مُنھ نہ ایدھر کیا نہ پھر نام اس اژدہے کا لیا
مری ان گزندوں کی صحبت ہے یہ طرف ہوں مری اُن کی طاقت ہے یہ
جو مجھ کو ہو کچھ بھی انکھوں کا خیال تو یہ مادہ گیری کریں کیا مجال
تو کیا ہو اُنھوں سے بہت دور ہیں ہوں اپنی جگہ شاد و مسرور ہیں
میری قدر کیا اُن کے کچھ ہاتھ ہے جو رُتبہ ہے میرا مرے ساتھ ہے

کہاں یہ ہونچیں مجھ تک یہ کیڑے حقیر
گیا سانپ پیٹا کریں اب لکیر

مثنوی در مذمّت آئینہ دار

آج سے مجھ کو نہیں رنج و ملال — جب سے نکلے بال تب سے ہے یہ حال

ہو شگافوں کا نہیں ہے نام اب — مدعی شعر ہیں حجام اب

ان سے کیں اک مو برابر بھی نہیں — جلف اشرافوں کے ہمسر بھی نہیں

پر ہوئے سر چڑھ کے یہ موسے دماغ — دود ہو جانے لگے سو سے دماغ

ہو گئے گرم سخن تب تو قلم — ورنہ یوں بیہودہ کب نکلا ہے دم

ایسے مونڈے ہیں ان نے کتنے بے شعور — ہے حجامت اس لئے بھی فرقہ کی ضرور

یاں نہ سید کچھ ہے نے نائی ہے شرط — ہو کسو کسوت میں دانائی ہے شرط

سنگ کو نجم الدین کے سرداری ہوئی — نوح کے بیٹے کی وہ خواری ہوئی

میر و میرزا میں حکم ہووے خورد — لے کئی نائی جن پہ سب کا دست رد

سمجھے مرزا میر کو مرزا کو میر — لے وہ رگ زن جو نہ سمجھے میر شیر

مجھ میں مرزا میں تفاوت ہے بہت — یاں تاتائی واں عجالت ہے بہت

جس جگہ میں نے رکھی منہ میں زباں
ہوتے اُس جا گہہ جو مرزا بیگماں

اُسترے کانوں میں اپنے باندھ کر
کب کے اب تک گھس گئے ہوتے ادھر

ان کمینوں کا گلہ کیا کیجئے
ایسے دس پیدا ہوں گر نہ لیجئے

کہتے ہیں سرگرم بے باکی ہے یہ
ہوں تو ہوں ناپاک کیا پاکی ہے یہ

لکھیئے اس فرقہ کے اب تا چند ذم
خط بنا دیں ایسا کر ہے کف قلم

گرچہ اُن کو کہتے ہیں آئینہ دار
لیک اُن کا منہ نہ دیکھیں کاش یار

صاف قینچی پر انھیں چڑھوایئے
گر نمد مو اس میں پھر ہو جایئے

بھا ہو ہو اس قوم کی کیا شرح حال
آ گئے ہی آویں گے جتنے ہوں گے بال

اک سفیدہ اُن کو نہیں چھنے کی تک
ہوتے ہیں دشمن یہ کالے بال تک

کیا کہوں کیسے ہیں اوندھے یہ بچر
کیجئے اصلاح عاید ہو دے شر

کھرچیں ایسا سر کہ کر دیں پائمال
سیدھیاں جب سن لیں تب لیں اُلٹے بال

معتبر اُن کے جو حجامی ہیں اب
ہند میں وہ تیرہ رو شاہی ہیں اب

کوئی لے جائے جو حاجت غسل کی
چلّو چلّو پانی پر دیتے ہیں جی

لعنتیں کرتے ہیں گزرے اُسکو واں
غسل میں فرصت تشہد کی کہاں

بیٹھے جامے خانے میں کیا غسل کر
جیب شاگردوں نے واں رکھی کتر

لیک پھر اجرت کے اوپر جنگ ہے
لات ہے گالی ہے پھر سر جنگ ہے

اس سقاوے میں گیا تھا اک حریف
اس کی فی الجملہ طبیعت تھی ظریف

دھو کے پاجامہ نہانے بھی گیا
یک طرف پھر پائجامہ بھی گیا

غسل کے پیچھے جو منہ گھر کو کیا
ہاتھ نائی کے سوا پیسا دیا

نائی نے پوچھا کہ پیسا ہے نکلا — ڈمڑی یہ کیسی ہے میں قربان گیا
ہنس کے بولے تو نہ بھلے جائیو — یاں ہے گا بھی ہے اسے اٹھوائیو
چوہڑے نائی ہیں سارے ایک ذات — ان میں ہے بدذات جو ہو نیک ذات
آیا اک نائی نرالا سا نظر — ہاتھ میں نکوا لیے ہے یا نشتر
میں کہا آتا ہے نکوا کام کیا — بولا ہے آگے سے بدنام کیا
. . . . اس میں لوٹیوں کی ڈال کر — ڈھونڈتے ہیں . . . . اک اک بال کر
ہاتھ میں رکھیے تو . . . . ہو انھیں — ضبط کی شاید نہ طاقت ہو انھیں
عذر اگرچہ دانتک بھی یاں نہیں — لیک اک دن اس میں اپنی جوالہ نہیں
دھکے چڑھ جاویں جانے کے بیسے کے — جی بھی جاوے واسطے دو پیسے کے
سنکے اس سے ایسی اچنبھ بات کو — میں کہا لعنت تیری اوقات کو
کاٹنے ان کے تئیں مشکل گزر — پنڈ سے لگ گئے ہیں اگر یا چھ خر
بعضے بعضے ان میں سے جراح ہیں — بحر خون قدیم کے تاریخ ہیں
زرد و زنگاری کوئی ڈبا ہے ساتھ — . . . . ساتھ ایک دو لتے بغل تھ
موم ڈالیں تیل میں مرہم کریں — پھر مسیحائی کا دم اس پہ بھریں
پھیر پگڑی بیٹھیں ایسی شان سے — آئے ہیں گویا ابھی ایران سے
باپ سے اپنے اگر . . . پائیں — داغ کو اس کے جراحت کر دکھائیں
بعضے بعضے ان میں رعنا ہیں اگر — سو مشعلچی ہیں بھگت کے بیشتر
رنڈی گت ناچے یہ اس کو منہ دکھائیں — یا لیا مشعل لیے مجلس میں جائیں
روغنی لے دوڑتے ہیں وقت شام — ڈھونڈتے ہیں کر کے اندھیارا مدام

تیل کی کپی لیے خوشتر، ہیں کھڑے ایک بھڑ دے، ہوتے ہیں چکنے گھڑے
لگ چلیں تو ہینگے جیسے موچنے کھائیں جب سر میں لگیں تب سوچنے
چھیڑیو تو مغز بھی لے جائیں گے سر کے تئیں سہلا کے بھیجا کھائیں گے

بے حقیقت ہیں نہیں شایان سرکار
صحبت ان سے بگڑی ہے پایان کار

مثنوی در ہجو اکول

ایک ہے پرخور آشنا ہے پیر — سینہ سوراخ جس سے ہے کف گیر

صدمنی دیگ ہے شکم اُس کا — نفس اژدہا ہے دم اُس کا

آنت شیطان کی ہے اُس کی آنت — دانت اس کا ہے ہاتھی کا سا دانت

خستۂ جوع وہ جو آوے نہار — مُنھ ہے گویا کہ زخم دامن دار

شکل مت پوچھ کھانے کا ہے بلی — مُنھ ہے چھیپوں سے جیسے روٹی جلی

گال کلچے سے پھر توے سے سیاہ — کاسۂ سر ہے جیسے اوندھا کڑاہ

توند کالی جو کھول جائے لپیٹ — آہنی ہے تنور اُس کا پیٹ

واہ مطبخ میں یاد ہے جو کبھی — چاٹ جاتا ہے دیگچوں تک بھی

کھینچے باورچیوں کے کیا کیا ناز — کڑی گئی اُس کے چوتڑوں پہ پیاز

کھانا نکلے پہ آوے ہے کیسے — چیل ٹوٹے ہے گوشت پر جیسے

وقت کھانے کے ہاتھ سے اُس کا — قاب پہ نان پنجۂ کرگس گویا

کیا وہ دو پیازہ کھا کے ہو تازہ   اک نوالا لاوے دو پیازہ

گوشت ہانڈی بھرا ہے خشک میں   ہنڈیاں گویا تھیں اس کی خشک میں

خام طمعی سے اک کرے ہے آہ   دیکھ کر شب کو نان ہالہ ماہ

نہ ٹلے دیکھ کر وہ قاب پلاؤ   منہ ہے منہ بیٹھا گرچہ کھا دے گھاؤ

کھانے پر جب وہ جی چلاتا ہے   لاٹھی پاٹھی بھی کھائے جاتا ہے

نہیں پہونچے جو کھانا کھانے لگ   ہڈیوں پر لڑے ہے جیسے سگ

بھوکھ کا باؤلا جو آتا ہے   لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے

دھوں میں دشمنوں سے بھی وہ نیم   جائے گھل مل اگر سنے ہے حلیم

آش بغرا پہ مار بھی کھاوے   اس میں گو بوغرا نکل جاوے

کسی مفلس کے گھر جو جاتا ہے   کچھ نہیں خفتیں ہی کھاتا ہے

بھوکھ سے جب کو غصے پر آوے   بز کوہی کی طرح جھنجلاوے

ٹھڈیوں کو نگہ سے کھا جاوے   چنے لوہے کے بھی چبا جاوے

دہر کا جلنا آگ سے ماؤنا   بھوک اس کی جلے تو میں جانوں

نکلے بازار میں وہ جب چربوند   سر ہی پھوڑے ہے دیکھ کر تربوز

گھاس پات اور کانس کھاتا ہے   نیشکر پر وہ بانس کھاتا ہے

اس کے آنے کی سن کے بازاری   کرتے ہیں سودوں کی خریداری

کوئی تختہ کرے ہے دوکاں کو   کوئی لادے بلا گزر بان کو

کنجڑے ڈھا کے ہیں ساگ پات اپنا   تکتے ہیں بنیے داؤ گھات اپنا

کرہیا دا ادھر کو اجاوے   سودے یکسو ہیں نہ کھا جاوے

اینٹ پتھر بھی کھا کر رہ جاوے
الغرض پیٹ اپنا بھر جاوے

کیا کیا جھینے کی کہیے چکھتا ہے
لیک پیٹ اس کو مارے رکھتا ہے

پیٹ اپنا بڑا جو پاتا ہے
گو تنک کا بھی جیف کھاتا ہے

وہ قضارا ہوا مرا مہماں
کھا گئی اس کی میزبانی جاں

گھر میں جو کچھ تھا بیچ منگوایا
کھانا اُس کے لیے میں پکوایا

کتنا کھانا بیاں کروں تجھ سے
جس پہ سو مہماں کروں تجھ سے

مجھ سے تھی روزگار سے اَن بن
خوب کھانا تو تجھ پہ ہے روشن

چار من گاجروں کا قلیہ تھا
دہ منی دیگ بیچ دلیہ تھا

روٹیاں کس قدر بتاؤں میں
جس کو دو چار سال کھاؤں میں

چاہ کر کے گرا جو وہ بلاع
مدد روح اشعث طمّاع

تھی ابھی روٹیوں کی جیٹ کی جیٹ
میں رہا کہتا کھا گیا وہ سمیٹ

کھانا کوئی اور کیا کہے اُس کا
سارے مُنھ دیکھتے رہے اُس کا

جب مرے گا وہ بھوکھ کا روگی
روح توشے کی روٹی میں ہوگی

کھانے کی بو جو ناک میں پیٹھے گی
مر گیا ہووے تو بھی اُٹھ بیٹھے

عقل باور اگرچہ کرتی نہیں
وہ مرے بھوک اُس کی مرتی نہیں

بھوکے اس کا جو جی نکل جاوے
گور میں بھی کفن نگل جاوے

مثنوی دیگر در بیانِ کذب

اے جھوٹھ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے — شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے
اے جھوٹھ تو شعار ہوا ساری خلق کا — کیا شہ کا کیا وزیر کا کیا اہل دلق کا
اے جھوٹھ تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے — اے جھوٹھ تو غضب ہے قیامت ہے قہر ہے
اے جھوٹھ رفتہ رفتہ ترا ہو گیا رواج — تیری متاع باب ہے ہر چار سو میں آج
اے جھوٹھ کیا کہوں کہ بلا ریز سر ہے تو — اے جھوٹھ سچ یہ ہے کہ عجب فتنہ گر ہے تو
اے جھوٹ کب ہے عرصہ میں تجھ سا حریف اب — تیرے ہی حکم کش ہیں وضیع و شریف اب
اے جھوٹ تیرے شہر میں ہیں تابعیں سبھی — مر جائے کیوں نہ کوئی وے سچ بولیں نے کبھی
کہنے سے آج اُن کے کوئی دل نہ شاد ہو — فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو
وعدے گھڑی کے پہروں کے سب آزما چکے — برسوں تک انتظار کیا جی ہی جا چکے
اے جھوٹھ رنگ تیرے کرے کوئی کیا بیاں — دکھتا ہے جیسے غنچہ زباں تو تہہ زباں
یوسف کے تھا نبی و صداقت شعار تھا — پھر حسن ظاہری سے بھی باغ و بہار تھا

پایانِ کار تیرے سبب چاک پیرہن — زنداں میں جا کے برسوں رہا چھوڑ کر وطن

اے جھوٹھ تو تو ایک دلآویز ہے بلا — آشوب گاہ تجھ سے زمانہ رہا سدا

کس جانکنی سے کوہکنی کوہکن نے کی — تصویر کھود شیریں کی پیشِ نظر رکھی

نزدیک جب ہوا کہ وہ مطلوب سے ملے — اب صبح و شام غنچۂ مقصودِ دل کھلے

دلالہ کے تو پردے میں آ کام کر گیا — دو باتوں میں وہ عاشق دل خستہ مر گیا

اے جھوٹھ تجھ سے فتنے ہزاروں اٹھا کیے — ہنگامہ و فساد ہی ہر سو رہا کیے

اے جھوٹھ راستی سے نہیں گفتگو کہیں — کہنے کو ہاں کہیں ہیں حقیقت میں ہے نہیں

اے جھوٹھ اس طرح ہیں بہت جی سے جا چکے — وعدوں ہی میں آہ لوگوں کے وعدے ہی آ چکے

اے جھوٹھ اس زمانے میں کیونکر چلے معاش — ہے تنگ جھوٹھ بولنے سے عرصۂ تلاش

سرداد جس سے سب متعلق ہے کاروبار — سچ بولنا ہے اُس کے تئیں سخت ننگ و عار

پھر سب مدار کار دروغی و مفتری — صدق و صفا و راستی کے عیب سے بری

جھوٹا سواد دولت اُبھی کا ہے یہ امیر — ورنہ قسم کسو کی بھی تھی حرف بار گیر

مشکل حصول کام ہے یاں حاصل کلام — باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام

اے جھوٹھ دل مرا بھی بہت دردناک ہے — ان کا ذبوں سے صبح نمط جیب چاک ہے

اک فرد دستخطی تھی مری ایک شخص پاس — دیکھا جو خوب اس کو تو مطلق نہیں حواس

تھا میں فقیر پہ نہ گیا شاہ کے حضور — اتنے لیے کہ رتبۂ عزت مرا ہے دُور

آداب سلطنت سے نہیں مجھ کو رابطہ — حرکت نہ ہوئے مجھ سے کوئی غیر ضابطہ

مرزائی مجھ سے کھنچتی نہیں ہر عزیز کی — پھر شعر و شاعری بھی نہیں ہے تمیز کی

صحبت خدا ہی جانے پڑے کیسی اتفاق — کیا بات آوے بیچ میں بے رنگی ہے نفاق

میں مضطرب گھر اُس کے گیا اُٹھ کے پانچ بار
کہنے لگا زباں سے یہ ہوتے ہی وہ دوچار

تقصیر میری اس میں نہ کریے گا کچھ خیال
صاحب کہیں خموشی کروں میں یہ کیا مجال

لیکن یہ حرف اس بھی سبب رد کار کھیئے یاد
انداز سے یہ لوگ سخن کرتے ہیں زیاد

بہتیری ایسی فردیں یہ رکھتے ہیں جیب میں
رکھتے ہیں یہ ہیں لوگوں کو یہ سوں فریب میں

دکھلاؤں گا چلا ہوں سوال آپ کا لیئے
میں نے کہا فقیر کہو کس طرح جیئے

بولا نہ ہوگا سعی میں ادھر سے کچھ قصور
پھر دیکھئے کہ پردے سے کرتا ہے کیا ظہور

اک آدھ ایسی بات بنا کر کھسک گیا
دل اس خبر کے سننے سے میرا دھڑک گیا

یہ عرضیاں حضور کو بھیجیں ہیں صبح و شام
دستخط جو ہو کے آئے کوئی سو اسی کے نام

یعنی وہ اب کی آن کے کچھ دیوے گا شتاب
دل جمع رکھیں کاہے کو کرتے ہیں اضطراب

دو چار بار آیا بھی وہ پر نہ کچھ ہوا
مجھ کو جو اضطرار تھا میں بے اجل موا

مدت مدید گزری مجھے کرتے انتظار
خجلت ہوئی جو حال لکھا میں نے بار بار

اس فرد دستخطی کو ہے یہ ماہ ہفتمیں
تنخواہ کا نہیں ہے ٹھکانا ابھی کہیں

آیا جو وہ لطیفۂ غیبی اب اپنے گھر
میں مضطرب ہو آپ گیا ملنے اُس کے گھر

بارے نہ اتفاق ہوا یہ کہ ہو ملاپ
کھویا تھا اضطرار سے عز و وقار آپ

گھر آکے ایک بھائی کو بھیجا پیام دے
آئے وہ اس کے پاس سے جو کچھ جواب دے

حضرت سے کہیو پہلے بہت بندگی مری
پھر کہیو اب اتنی ہے شرمندگی مری

دو چار دن میں بھیجے گا کچھ گھر ہی آپ کے
در پے نہ اتنے ہوجیئے میرے ملاپ کے

تب سے وے بھائی جاتے ہیں ہر روز صبح و شام
اب تک تو ملتوی ہے زمانے زدے کا کام

دن دیکھتے ہیں وعدے کے بھی ہیں بہت قریب
پھر ترک شہر کیجیئے گا کہہ کے یا نصیب

برسوں ہوئے نہینوں کے وعدے ہوئے وعید
سچ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ان جھوٹوں سے بعید

مخمس در شہر کاما حسب حالِ خود

قابل ہے میر جیسے کے اطوار روزگار   چالیں عجب طرح کی چلے ہیں عجب شعار

کرتا ہے بد سلوکی بھلوں سے یہ بے مدار   لاتا ہے روز فتنۂ تازہ بروئے کار

دل داغ داغ رہتے ہیں اس سے جگر فگار

کاما سے تلخ کام اٹھایا مرے تئیں   دلی میں بیدلانہ پھرایا مرے تئیں

ہم چشموں کی نظر سے گرایا مرے تئیں   حاصل کہ پیس سرمہ بنایا مرے تئیں

میں مشت خاک مجھ سے اسے اسقدر غبار

لشکر میں مجھ کو شہر سے لایا پئے تلاش   یاں آکے گذری میری عجب طور سے معاش

پانی کسو سے مانگ پیا میں کسو سے آش   اس واقعہ سے آگے اجل پہنچی ہوتی کاش

ناموس رہتی فقر کی جاتا نہ اعتبار

مدت رہا تھا ساتھ جنھوں کے خراب حال   دانستہ ان سبھوں نے کیا مجھ کو پائمال

آخر کو آیا مجھ میں انھوں میں نپٹ ملال   یہ زندگی سہل ہوئی جان کی دبال

اس جمع میں کسو کو میں پایا نہ دستیار

جانا نہ تھا جہاں مجھے سو بار واں گیا　　ضعفِ قویٰ سے دست بدیوار واں گیا
محتاج ہو کے ناں کا طلب گار واں گیا　　چارہ نہ دیکھا مضطر و ناچار واں گیا

اس جانِ ناتواں پہ کیا صبر اختیار

در پر ہر اک دنی کے سماجت مری گئی　　نالائقوں سے ملتے لیاقت مری گئی
کیا سفت ہائے شان شرافت مری گئی　　ایسا پھرا اس لئے کہ طاقت مری گئی

مشہور شہر اب ہوں سبکسار و بے وقار

عرصہ تھا مجھ پہ تنگ اٹھا ہو کے نیم جان　　پوچھا نہ مجھ کو یک لب ناں سے کنھوں نے یاں
کم پائی پر بھی سیر کیا میں نے سب جہاں　　آشفتہ خاطری نے پھرایا کہاں کہاں

برسوں کا راز مجھ سے ہوا آ کے آشکار

پرداخت میری ہو نہ سکی اک امیر سے　　عقدہ کھلا نہ دل کا دعائے فقیر سے
رخنے ہمیشہ آتے رہے سر پہ تیر سے　　ہر چند التجا کی صغیر و کبیر سے

لیکن ہوا نہ دفع مرے دل کا اضطرار

کن نے کی اپنے حال پہ شفقت سے یک نگاہ　　نکلے ہے کس سے طور پہ اپنے سخن کی راہ
بولا نہ کوئی ہم سے کہ تم کیوں ہوئے تباہ　　اسلوب اپنے جینے کا ہو کس طرح سے آہ

ہم ایک ناتوان و ضعیف اور غم ہے سزار

سماجت مری روا دلِ پُر درد نے نہ کی　　تاثیر اشکِ سرخ و رُخِ زرد نے نہ کی
تدبیر ایک دم بھی دمِ سرد نے نہ کی　　دلجوئی میری حیف کسی فرد نے نہ کی

طاقت رہی نہ دل میں گیا جان سے قرار

ہر چند بند باندھے مرے خوں پہ کیا کمر ہر ترک شوخ چشم کرے مجھ پہ کب نظر
یہ منھ نہیں کسی کا جو منھ کو کرے ادھر ہر دادار قصد کرے یہ کہاں جگر
ہر کوئی جانتا ہے کسی کا ہوں میں شکار

دل سربسر خراب ہے تعمیر کیا کروں آشفتگی حال کی تعبیر کیا کروں
خوننابہائے چشم کی تقریر کیا کروں زردی رنگ چہرہ کی تحریر کیا کروں
آیا جو میں چمن میں خزاں ہو گئی بہار

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ دل سوزش درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ ہے نام مجلسوں میں مرا میر بے دماغ
از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

مخمس در حال لشکر

مشکل اپنی ہوئی جو بود و باش　　آئے لشکر میں ہم برائے تلاش
آن کے دیکھی یاں کی طرفہ معاش　　ہے لب نان پہ سو جگہ پرخاش
نے دم آب ہے نہ چمچۂ آش

مرنے کے مرتبے میں ہیں احباب　　جو شناسا ملا سو بے اسباب
تنگدستی سے سب بحال خراب　　جس کے ہے پال تو نہیں ہے طناب
جس کے ہے فرش تو نہیں فراش

زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال　　کنجڑے جھینکیں ہیں رووتے ہیں بقال
پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال　　ایک تلوار بیچے ہے اک ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلاش

جتے والے جو تھے ہوئے ہیں فقیر　　تن سے ظاہر رگیں ہیں جیسے لکیر
ہیں معذب غرض صغیر و کبیر　　کھیاں سی گریں ہزاروں فقیر

دیکھیں ٹکڑا اگر برابر ماش

شور مطلق نہیں کسو سر میں زور باقی نہ اسپ و اشتر میں
بھوکوں کا ذکر اقل و اکثر میں خانہ جنگی سے امن لشکر میں
نہ کوئی رند ہے نہ کوئی اوباش

لعل خیمہ جو ہے سپہر اساس پالیں ہیں رنڈیوں کی اُس کے پاس
ہے زنا و شراب بے وسواس رعب کر لیجیے یہیں سے قیاس
قصّہ کوتہ رئیس ہے عیاش

جتنے یاں ہیں امیر بے دستور پھر بحُسنِ سلوک سب مشہور
پہونچنا اُن تلک بہت ہے دور بات کہنے کا داں کسے مقدور
حاصل اُن سے نہ دل کو غیر خراش

چار لُچّے ہیں مُستعدِّ کار دس تلنگے جو ہوں تو ہے دربار
ہیں وضیع و شریف سارے خوار لوٹ سے کچھ ہے گرمی بازار
سو بھی قند سیاہ ہے یا ماش

در پہ عمدوں کے روز و شب شر و شور صرف یکسر فریب در شوت خور
لے لیے دیکھیں نے کسو کی اور مردہ شو پردہ سب کفن کے چور
رحمۃ اللہ بر اوّلیں نبّاش

یک بیک گر کسو کی موت آئی اُس کے مُردے کی پھر ہے رسوائی
کیوں کہ پہونچی ہے جن کو امرائی سب وہ اولاد حاتم طائی
کون دیکر کفن اٹھا دے لاش

بالضرورت گیا میں جس کے گھر ۔۔۔ آدمی کی نہ جنس تھا وہ خر
بات کرنے لگا تو نیچے نظر ۔۔۔ بضرورت سفیہ مدّ نظر
قابلِ صد ہزار شاباش دتراش

ہے جنھیں کچھ بھی رویت دربار ۔۔۔ سو فریبندہ مکری و غدّار
کاذب و مفت بر ہے دل آزار ۔۔۔ ڈول ان کا ہے یہ کہ کرے خراب
کام اُن کا ہے یہ خراش دتراش

جس پہ ٹھہرے ہے آکے سرداری ۔۔۔ اُن سے ہم کو تھی چشم دلداری
معرفت اُن کے بعد صد خواری ۔۔۔ فرد دستخط ہوئی جو اکباری
جیسے کھینچے لکیریں کوئی نقاش

اس لکھے کا نہیں ٹھکانا کچھ ۔۔۔ وہم میں بھی نہیں ہے پانا کچھ
جس پہ دستخط نہ آنے جانا کچھ ۔۔۔ بن نہ آیا مجھے بہانا کچھ
غیر اس کے کرے اُٹھوں بشاش

واں سے اُٹھ کر میں پال میں آیا ۔۔۔ سخت تغییر حال میں آیا
بارہا یہ خیال میں آیا ۔۔۔ کہ زیاں شہ کے مال میں آیا
واسطے میرے سو مرا یہ قماش

بخشد دں جامہ تک جو ہو قدرت ۔۔۔ آٹھواں آنے ہیں خرچ یکساعت
دس روپیہ دوں گدا کو بے مہلت ۔۔۔ منقضی ہووے کب مری ہمّت
صاحبانِ کرم کے تئیں شاباش

ہو جو ان لوگوں میں گدا کا گزر ۔۔۔ سہم رہ جائیں سب نہ دیکھیں اُدھر

دیر کے بعد یہ کہیں مل کر　　شاہ جی لے خدا سبھوں کی خبر
سو بھی یہ بات ہے پس از کنگاش

یاروں کی جود کا بیاں کیا ہے　　وہم میں ان کے بھی جہاں کیا ہے
آشکارا ہے سب نہاں کیا ہے　　دیکھتے ہیں کہیں کہ یاں کیا ہے
ایسی صحبت میں ہم نہ ہوتے کاش

بس قلم اب زباں کو اپنی سنبھال　　خوشنما کب ہے ایسی قال و مقال
ہے کڈھب چرخِ روسیہ کی چال　　مصلحت ہے کہ رہیئے ہو کر لال
فائدہ کیا جو راز کریے فاش

مُخمس دیگر

دستخطی فرد کا سنو احوال　　بیدماغی ہی میں تو دی تھی ڈال
ایک مشفق کو تھا ادھر کا خیال　　مہربانی سے ان کو کھوج نکال
شیخ جی کا ڈھے سو عجائب مال

شیخ کو اس بھی سن میں ہے گی ہوس　　تنگ پوشی سے چولی جاوے چس
ہوئے گا سن شریف ساٹھ برس　　دانت ٹوٹے گیا ہے کلہ دھس
دیکھ رنڈی کو بہ چلے ہے رال

جامے کو خوب سا چناتے ہیں　　خال رخسار پر بناتے ہیں
مہندی بھی پتلی سی لگاتے ہیں　　ناز کرتے قدم اٹھاتے ہیں
دیکھا کرتے ہیں آرسی میں جمال

دل میں دھن جو جو عیش و عشرت کی　　پوچھتے ہیں دوائی . . . . کی
باتیں ہیں رنڈیوں کی صحبت کی　　دیکھے ہے کوئی کتاب حکمت کی

کرتے ہیں ہمنیں استعمال

محو رعنائی کتنے ہیں اللہ ! مسّی سے کرتے ہیں مسوڑھے سیاہ
رکھتے ہیں سر پہ اب ہمیشہ کلاہ شانہ سے کام ہے گہ و بے گاہ
کپڑے ناہ بھی سر پہ اوڑھی شال

قبر و چرکیں لباس تنگ معاش ساتھ رکھتے ہیں ایک موئے تراش
قینچی لیتے ہیں گاہ و گہ منقاش ہر سر مو پہ اس سے ہے پرخاش
لوگ کہتے ہیں شیخ ہیں چنڈال

آشنا میرے بھی پرانے تھے میں و وے اک عمر اک ٹھکانے تھے
یار تھے دوست تھے یگانے تھے صحبتیں تھیں باہم زمانے تھے
روز و شب ہمہ گہ تھی قال و مقال

اب وے مختار کے ہوئے مختار ان پہ ٹھہرا ہے سلطنت کا مدار
وہی اس عہد میں ہیں کار بر آر اس طرف سے مرا ہوا جو گزار
نکلے سن نام بہر استقبال

جب ملاقات درمیاں آئی دستخطی فرد میں نے دکھلائی
لے کے میری تسلّی فرمائی پھر نفر پاس اپنے رکھوائی
اور لگے کہنے رکھئے استقلال

فرد نوّاب کو دکھاؤں گا حال صاحب کا سب جتاؤں گا
ہے مقرر تو کر ہی لاؤں گا لے کے دفتر میں آپ جاؤں گا
آگے میرے کسے سخن کی مجال

قدر والا ہماری ہے معلوم　　خلق خادم ہے اور تو مخدوم
اس سعادت سے جو رہے محروم　　ہے یقینی کہ وہ الاغ ہے شوم
حشر کو ہوگا مرکب دجال

تم بنی فاطمہ ہو ہم ہیں غلام　　ہے غلامی تمہاری اپنا کام
تم کو مسجود جانتے ہیں انام　　تم سبھوں کے ہو پیشوا و امام
تم سے سب کو نجات کا ہے سوال

بارے رخصت کیا بصد اعزاز　　اور کہا تم ہو خلق میں ممتاز
ہے تمنا کہ تم سے ہوں دمساز　　دل ہمارا ہو کاش محو نیاز
کریے تم پہ نثار جان و مال

شیخ نے کر سلوک حد سے زیاد　　قید اندوہ سے کیا آزاد
دی بھلا روزگار کی بیداد　　جان غم کش ہوئی نہایت شاد
کم ہوا کوئی روز سر سے وبال

پھر جو دو دن میں میں گیا اُن پاس　　شیخ جی نکلے ایک اشرف الناس
نے وہ تعظیم و خلق نے وہ پاس　　بولے کچھ زیر لب اُداس اُداس
رہ گیا چپ میں دیکھ کر یہ حال

میرے تئیں بے دماغ جو پایا　　سر کیا نیچے یعنی شرمایا
جب خجالت سے کچھ نہ بن آیا　　تب بہانا صداع کا لایا
پھر یہ بولا کہ کیوں ہے چہرہ لال

میں کہا وجہ ہے کہا کہیے　　میں کہا جور کب تلک سہیے

چند پامال چرخ کج رہیئے　　جی میں ہے اب لگایئے پہیئے
تاکہ گردوں کی کچھ ہو سیدھی چال

تھی جو تم سے توقعِ یاری　　سو تو آئی ظہور میں ساری
ہوتی جو فردِ دستخطی جاری　　تو بھی یہ دن جو ایسے ہیں کاری
کاٹتا ایک طرف فقیر مثال

دستخطی فرد کا سنا جب نام　　کہنے لاگا کہ اب قریب ہے شام
بیٹھنے کا ہوا ہے وقت تمام　　پھر کسی روز کیجیئے گا کلام
اب تو میرے نہیں حواس بحال

تھا جو سختی سے فقر کی ناچار　　گھر گیا شیخ جی کے سو سو بار
نہ رہا کوئی نوج شہر میں یار　　نہ کہا جن نے میرا حالِ زار
تنگ آیا میں مفلسی سے کمال

کچھ طرح اور جب نہ بن آئی　　میں ہوا شیخ جی سے مجرائی
کھینچی کیا کیا انھوں کی مرزائی　　پر تسلّی مری نہ فرمائی
مفت عزت گئی ہوا پامال

ایک مدت تھی آج کل پہ بات　　اب تو ہے صبح اب ہوئی ہے رات
ہے بہت شیخ کی غنیمت ذات　　جمع آدم میں اتنے کب ہیں صفات
مفتری دور دغی و محتال

ایک دن میں کہا جو ہو مضطر　　کہیئے اس در سے جاؤں اب کیدھر
ہنس کے بولے بہت تلطف کر　　سر منڈائے ہو تم بھی اس گھر پر

آ گئے ادبار کے جتنے ہوں گے بال

راتوں کے تئیں مصیبتیں گزریں   اور دنوں کو قیامتیں گزریں
کچھ نہ پوچھو جو حالتیں گزریں   باتوں باتوں میں مدتیں گزریں

وعدہ دو چار دن نہ ماہ و سال

پھر جو اس فرد کا ہوا مذکور   کہنے لاگے کہ نائب دستور
جانتا ہے تمھیں کہ ہو مشہور   پر کہے ہے رکھو مجھے معذور

جاری کرنا ہے اس کا امر محال

آٹھ آنے ہیں شاہ پر بھاری   اس کی لوگوں نے کی ہے اب خواری
آپ ہے تو یہ سب گرفتاری   فوج ہے گی تو قحط کی ماری

کیوں نہ جس جا رہے ہیں واں تھا کال

ٹٹّے جو ہیں دنوں کو بھرتے ہیں   سو بھی اسباب گروی دھرتے ہیں
ہیں سپاہی سو بھوکے مرتے ہیں   لوہو پی پی کے زیست کرتے ہیں

اک تلوار بیچے ہے اک ڈھال

رہ گیا میں سو جی جلاتا ہوں   کچھ کہے کوئی سر ہلاتا ہوں
یعنی ہر اک کے تئیں بلاتا ہوں   کام سرکار کا چلاتا ہوں

کار پرداز ہیں سفیہ و ضلال

بادشہ بھیک مانگتا آیا   روز روزینہ بند فرمایا
معتمد مجھ کو اپنا ٹھہرایا   سو پڑا اینچ میں میں گھبرایا

جس کو دیکھو رکھے ہے مجھ سے ملال

ملکی اور سارے صاحبانِ قبول　　پھرتے ہیں مجھ سے خوار و زار و ملول

کہیئے حضرت سے کچھ بھی ہو جو حصول　　کوڑی دینا انھیں نہیں ہے قبول

آپ ہی مرتے ہیں اُن کے اہل و عیال

یاں مرے در پہ یاروں کا ہے ہجوم　　صبح سے شام تک لگے ہے دھوم

جو یہی ڈول ہے تو ہے معلوم　　ایک دن با قدوم فرخ لزوم

نکلے گا یاں سے شہ بجاہ و جلال

حاجت اک عالم اپنی لاتا ہے　　جو ہے سو جان کھائے جاتا ہے

کون یاں راہِ حرف پاتا ہے　　اور جیسے کوئی منہ لگاتا ہے

کاٹتا ہے وہ پہلے چومے گال

اُس کے اوپر ہے شہ تماشائی　　اور چاہے ہے خرچ بالائی

ہر طرف پھیلی ہے یہ رسوائی　　کل چنانچہ ہمیں نظر آئی

لال خیمے کے گرد دو سو پال

دینے کا ہو کہیں ٹھکانا بھی　　جو دو کو چاہیئے زمانا بھی

یاں نہیں شہ کے گھر میں دانا بھی　　کبھو ہوتا ہے پینا کھانا بھی

ورنہ بھوکے مرے ہیں بیٹھے نڈھال

حال یہ ہے جو اُس پہ ہو منظور　　پھر بھی نواب سے کروں مذکور

گاہ باشد کہ ہو انھیں مقدور　　پر سماجت ہے اب خرد سے دور

لطف کیا میں کہوں وے دیویں ٹال

میں کہا بس بہت خراب ہوا　　پردے میں واں سے کچھ جواب ہوا

دل ہوا داغ جی کباب ہوا　　بارے ہونا جو تھا شتاب ہوا

کٹ رہے گا مرا ابھی یہ جنجال

دل سے اپنے بھی اب بھلا دیجے　　فرد میری مجھے منگا دیجے

ان خیالات کو اڑا دیجے　　بند چڑیا کی سی چھڑا دیجے

بس بچھایا بہت فریب کا جال

ہنس کے بولے کہ فرد ہے حاضر　　اور سمجھیے نہ مجھ کو بھی قاصر

جان کا ہوں تمھاری ہیں ناظر　　جمع فرماؤ خاطر عاطر

اب نہیں پھر یہ کام لوں گا سنبھال

تب سے ابتک وہ فرد لاتا ہوں　　گاہ بیگاہ اُن کے جاتا ہوں

وقت پاتا ہوں تو جتاتا ہوں　　پر جواب اُن سے صاف پاتا ہوں

اب کی بار کا ہے یہ قیل و قال

مثنوی ننگ نامہ

پائے توفیق ٹک تو سر کو دھنو — یہ بھی اک سانحہ ہے میر سنو
ہم کو در پیش تب سفر آیا — جب کہ برسات سر ہی پہ آیا
ابر ہونے لگے سپید و سیاہ — پانی رستوں میں کیچ ساری راہ
بیچ میں ہوتے کچھ اگر اسباب — مُنھ اٹھانے کی جی میں ہوتی تاب
سو توکل نہ ٹٹّو نہ رکوئی — سایہ گستر نہ ابر بن کوئی
ابر ہی بے کسی پہ روتا تھا — ابر ہی سر کا سایہ ہوتا تھا
کیچ پانی میں کپڑے خوار ہوئے — رو ہیں گاڑی میں جا سوار ہوئے
رہروی کا کیا جو ہم نے میل — بھینس چہلے کی تھی بہل کے بیل
آسماں آب سب زمیں سب کیچ — خاک ہے ایسی زندگی کے بیچ
شب کے دریا پہ ہو کے راہ پڑی — پانی کے سطح پر نگاہ پڑی
لجے لطمے کا کیا کہوں میں اوج — باتیں کرتی ہے آسماں سے موج

دامن ابر پاٹ دریا کا   دے گرہ تو کہے کر باندھا تھا

ہوش جاتا تھا دیکھ جوش آب   گوش کرتا تھا گرم خروش آب

آب تہ دار اور تیرہ بہت   لہر اٹھتی جو تھی سو خیرہ بہت

پانی پانی تھا شور سے طوفاں   دیکھ دریا کو سوکھتی تھی جان

ہمرہ موج سیکڑوں گرداب   ساتھ تھی صرصری کے چشم حباب

ناؤ میں پاؤں ہم نے بارے رکھا   خوف کو جان کے کنارے رکھا

جز زرد سب حواس کھوتا تھا   خضر کا رنگ سبز ہوتا تھا

جبکہ کشتی رواں ہوئی واں سے   جسم گویا کہ تھا نہ تھی جاں سے

موجہ اٹھنے لگا جو طوفاں زا   بچہ آیا نظر سو عماں زا

کیا کہیں ڈوب ہی چلے تھے ہم   ناخدائی خدا نے کی اُس دم

بلی لگتی نہ تھی نہ کچھ تھی تھاہ   عقل گم کردہ لوگ تھے ہمراہ

ریلا پانی کا جبکہ آتا تھا   خوف سے جی بھی ڈوبا جاتا تھا

خطر غرق سے تھی طاقت طاق   بیخودی سے ہوا تھا استغراق

بہتا پھرتا تھا خضر کشتی پاس   غوطے کھاتے تھے حضرت الیاس

بد بلا سے تھے ہمکنار ہوئے   تھا نہ امید ہی تو بلی پار ہوئے

کسو درویش کا تھا یمن قدم   جا کے پہونچے جو اس کنارے ہم

ورنہ اعمال نے ڈبویا تھا   گوہر جاں سے ہاتھ دھویا تھا

اس کنارے کا جو اثر پایا   ہم تلاطم کشوں میں جی آیا

اس طرف اُترے آب کے جا کر   ہیر اور پیر صاحب و چاکر

شکر لب پر دلوں سے محو گلا — کس و ناکس سبھوں سے خضر ملا

یار کا گنج تھا جو شاہ درا — سب نے رہنا وہیں کا جی میں دھرا

فاصلہ ایک کوس کا تھا بیچ — راہ یاں سے تھی واں تلک سب کیچ

تھے بہت بیچ میں نشیب و فراز — پہونچے واں شام کھینچ رنج دراز

سو نہ جاگہ تھی نہ مکانِ مبیت — چار دوکانیں ایک چھوٹی مسیت

جا کے حیراں ہوئے کدھر جاویں — سر گھسیڑیں جو ٹک جگہ پاویں

تنگ دو دو ہر طرف لگے کرنے — تسپہ پڑنے تھے بینہ کے بھرنے

کوئی میداں میں کوئی چھپّر میں — کوئی در میں کوئی کسو گھر میں

گھر ملا صاحبوں کو ایسا تنگ — جس سے بیت الخلا کو آوے ننگ

بیٹھنے دیں نہ جب کہ صاحب کو — کون پوچھے نفر مصاحب کو

ڈھونڈھتے ڈھونڈتے سرا پائی — در بیسے گھر چھوٹے ویسی جا پائی

رہنا بھٹیاری کے غنیمت جان — جو کہا اُن نے ہم گئے سب مان

کچھ پکانے کا جب سوال کیا — میں نے اظہار اپنا حال کیا

یاں جو لائے ہیں مجھکو اپنے ساتھ — زندگانی مری ہے اُن کے ہاتھ

پہونچے ہے ان کے روبرو سے طعام — صبح کا صبح مجھ کو شام کا شام

اور پکوایئے تو زاید ہو — خامے سے اپنے اور عاید ہو

جو کچھ آیا سو کھا لیا میں نے — کچھ رہا سو اٹھا دیا میں نے

سُن کے اک دل سے کھینچی اُن نے آہ — اور بولی کہ واہ صاحب واہ

ہم تو جانا تھا آدمی ہو بڑے — چار پانچ آدمی ہیں پاس کھڑے

کچھ یہ کھا دیں گے کچھ کھلا دیں گے
ہم کچھ ان کے سبب سے پا دیں گے

سو تو نکلے ہو کورے بالم تم
ہو گدا جیسے شاہ عالم تم

کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے بات
دیکھئے کس طرح سے گذرے رات

صدقے ہیں ایسے بھی اتارے کے
سو گئے بخت گھر ہمارے کے

میں کہا مہترانی جی کچھ لو
مجھ سے آزردہ دل نہ اتنی ہو

بعضے کھاتے ہیں کچھ کھلاتے ہیں
بعضے مجھ سے بھی آنے جاتے ہیں

بارے جوں توں ہوئی وہ رات تمام
صبح کو صاحبوں کا ٹھہرا مقام

یہ بھی دن شب ہوا سحر تھا کوچ
غازی آباد کو گئے سب پوچ

راہ طے کر سرائیں جا اترے
کچھ ستم دیدہ پاس آ اترے

صاحب اترے حویلی میں آکر
باغ میں اس کے سب نفر چاکر

باردر تھے درخت سب یہ بھی
پھل ولیکن کنھوں نے پایا بھی

اس بھی منزل میں ایک وزدہ ہے
گزرے جس طور کوئی کس سے کہے

لوگ جس دم سوار ہونے لگے
اور اسباب بار ہونے لگے

سو ہنی اس رواردی میں گئی
لوگ تھے مضطرب جگہ تھی نئی

وحشت اس کو زبس کہ طاری ہوئی
سر پٹک کر کسی طرف کو موئی

ایدھر اُدھر تلاش کر دیکھا
گم شدہ کو نہ پھر نظر دیکھا

ساری بستی میں جست و جو کو گیا
دیر تک یہ خیال سب کو رہا

جن کی آتی ہے ایسے جاتے ہیں
کر نہ پھر کھوج ان کا پاتے ہیں

مرگ تھی اس کی اس جگہ تقدیر
بلّی تھی یا کہ گربۂ تصویر

رنگ جیسے کہ وقت گرگ و میش | یعنی سرخی تھی کم سیاہی بیش

جن سے مالوف تھی وہیں رہتی | ان سے کچھ کچھ نگاہوں میں کہتی

کیا نفاست مزاج کی کہیے | ستھری اتنی کہ دیکھ ہی رہیے

خال جو پھول گل کرتے ہیں | یا کہ نقشوں میں رنگ بھرتے ہیں

چوہے چڑیا پہ ان نے کب کی نظر | حج کا کرنا نہ فرض تھا اُس پر

موہنی بھی تو تھی بہن اُس کی | نسبت اُس کی تھی وہ بہت گھسکی

پاوے جو کچھ سو مار کھاوے یہ | ایک کیا چار چار کھاوے یہ

جانور مارنا تو ہے یک سو | تیز پنجہ کیا نہ اُن نے کبھو

یہ نزاکت اسی کو بن آوے | موش دشتی کو دیکھ ڈر جاوے

ان نے مارے ہیں ایسے کتنے ڈھونس | گھونس دیکھی تو ہووے کوئی گھونس

یہ چھچھوندر کے بولتے بھاگے | وہ پڑی سوتی بھی ہو تو جاگے

چھپکلی سے یہ پھیر مُنھ کو لے | وہ جفاکار جیفہ پر جی دے

یہ پری سی تھی جو خرام کرے | وہ جو اُچھلے تو دھوم دھام کرے

کبک اس کی خرام کے عاشق | جانور اس کے نام کے عاشق

غرض افسوس کی جگہ بلّی | اب کہاں گو کہ چھانیے دلّی

ایسی بیگم مزاج بلّی کھو | بیگم آباد ہم گئے یارو

واں سے میرٹھ سبھوں نے کی منزل | کیچ پانی اگرچہ تھا حائل

گرتے پڑتے پہونچ گئے سارے | ہم جفائے سپہر کے مارے

واں سے لاڈرنسنگ پھر واں سے | جا کے واں تنگ آ گئے جاں سے

اک گڑھی بود و باش کو پائی ۔ کچھ نہ کھانے کو جس میں نے کھائی

چھوٹی پھاٹی سی چار دیواری ۔ اور میدان تھی گڑھی ساری

پھر نہ میدان بھی برابر تھا ۔ ہر قدم ایک غار و پتھر تھا

کھنڈر سے اس میں تین چار مکان ۔ جن کا گرنے پہ سخت ہے میلان

وہ گڑھی ساری کھتے ناج کے تھے ۔ برسوں سے تھے پڑے نہ آج کے تھے

خاک مٹی سے ان گڑھوں کو بھرا ۔ بنگلا اک لا کے اس کے بیچ دھرا

خشتی پائے اگر نہ بنولاتے ۔ باؤ میں اس سمیت اڑ جاتے

باؤ جنگل کی تند کچھ نہ رکاؤ ۔ مینھ میں چل پڑے تو کا ہے جاؤ

اک گڑھی جس کی سیکڑوں راہیں ۔ واں ٹھہرنے کو چاہیئے باہیں

وہ رہے جو رکھے بہت سے لوگ ۔ یا کوئی جوگی جو کرے واں جوگ

ورنہ مشکل بہت ثبات قدم ۔ دل میں اک ہول ہی رہے ہے ہر دم

باد سی دن کو سائیں سائیں کرے ۔ رات ہووے تو بھائیں بھائیں کرے

گر شکستہ ہوئی کہیں دیوار ۔ بے زری سے بنانا ہے دشوار

ہفتہ ہفتہ تلک پڑی ہے خراب ۔ پردہ کاہے کا پھر ہے رفع حجاب

کارپردازوں کو تقید ہے ۔ شور ہے گالی ہے تشدد ہے

وے بیچارے بہانے کرتے ہیں ۔ رات دن لوگ جو کی بھرتے ہیں

کہتے اُن سے تو یہ ملے ہے جواب ۔ کس کے گھر سے بنا دیں لا کے شتاب

ہم کو کھانے ہی کا تردد ہے ۔ صبح بقال کا تشدد ہے

بنیا منھ کو چھپائے جاتا ہے ۔ روٹی کا فکر کھائے جاتا ہے

حال کب پوچھنے کے ہے قابل — ہم فقیروں کے رنگ ہیں سائل

سوچیں ہیں جب تو بھول جاتے ہیں — بات کہتے ہیں بھول جاتے ہیں

تم کو دیوا دیا کہے ہیں گے یاد — ہم کو کرتا نہیں خدا آزاد

کس کو موسیں کہاں سے کچھ لادیں — دال آٹا جو تم کو پہنچا دیں

تم کہو دال ماش کی ہے زبوں — یاں بہم پہنچے ہے جگر ہو خوں

تم کہو آٹا کرکرا کھایا — یا کلیجہ چھنا تو ہاتھ آیا

اور دو چار روز یہ بھی ہے — ایک غم سینہ سوز یہ بھی ہے

فصل ہونے ابھی نہیں پائی — پیشگی سب سے قرض لے کھائی

جس سے چھوٹے ہوئے ہیں ہم دس بار — جو ٹٹا وہ کہے ہے ساہوکار

ماش کی دال کا نہ کریئے گلا — گوشت یاں ہے کبھو کسو کو ملا

چاہتے ہو تو مول لو اک بز — ورنہ بیٹھے رہو بنے جز بز

جی اگر چاہے کوئی ترکاری — گول کدو ملے بصد خواری

بھنڈی بینگن کے ناؤں ڈھینڈس تھا — اور وی توری بغیر جی بس تھا

جز کدو پائے کلو مدّھو کیا — یعنی کچھ اور واں تھا کدّو کیا

دار و گولی کے کچھ نہ تھے اسباب — ماش کی دال کھاتے تھے احباب

جو گرہ ہی میں نہ چھوڑتے یوں گوز — بجتی رہتی تپک کہاں سے روز

گھاس ہی گھاس اس مکاں میں تمام — تس میں لسّاع جانور اقسام

جیسے زنبور زرد ایسے ڈانس — کاٹ کھا دیں تو اچھلو در دو بانس

پشہ و کیک اور کتّی تھی — جن کے کاٹے اچھلتی بتی تھی

ہاتھ پنڈوں پہ سب چلے جاتے   شبگزوں سے بدن چلے جاتے

ان کے کاٹے بدن پہ دانا ہے   مرچ جدوار پھر لگانا ہے

ایک دو دن جلا فراغ ہوا   اس کی جاگہ سیاہ داغ ہوا

نہ کھجاتے کھجاتے سارے گھسے   چھپٹے چھٹے ہوئے جو دانے پسے

دن کو وہ صورتِ طعام ہوئی   رات کو نیند یوں حرام ہوئی

کتوں کے چار دن اور رستے تھے   کتے ہی واں کہے تو بستے تھے

دو کہیں تھے کھڑے کہیں بیٹھے   چار لوگوں کے گھر میں ہیں بیٹھے

ایک نے پھوڑے باسن اکونے   کھود مارے گھروں کے سب کونے

کوئی گھورا کہے کوئی بھونکے   خفتہ خفتہ بھی شور سے چونکے

سانجھ ہوتے قیامت آئی ایک   شور عف عف سے آفت آئی ایک

گلہ گلہ گھروں میں پھرنے لگے   روٹی ٹکڑے کی بو پہ گرنے لگے

ایک نے آکے دیگچا چاٹا   ایک آیا سو کھا گیا آٹا

ایک نے دوڑ کر دیا بھوڑا   پھر پیا آکے تیل اگر چھوڑا

گھور نے اک لگا اندھیرا کر   ایک نے اور ایک پھیرا کر

گھر میں چھینکے اگر تھے توڑ دیئے   ہانڈی باسن گرا کے پھوڑ دیئے

لوگ سوتے ہیں کتے پھرتے ہیں   لڑتے ہیں دوڑتے ہیں گرتے ہیں

جب کہ ہڈی پہ چار چار لڑیں   گوشت پر بھیڑیے سے دوڑ پڑیں

ایک کے پیچھے ایک روز و شب   لینڈی سی واں نہ بندھ رہی تھی کب

کتے میں واں دو چار رہتے ہیں   دو گئے بھی تو چار رہتے ہیں

جاگتے ہو تو دو بدو کتے
سو کر اٹھو تو رو د بر و کتے

سر پہ دربان کے بلا ہی رہے
کتا ایک آدھ گھر میں جا ہی رہے

منھ میں کف دور دور کرنے سے
حال بے حال شور کرنے سے

تو کہے سنکے وہ گلا بھاگا
باؤلے کتے نے اسے کاٹا

کتوں کی کیا سماجتوں کو کہیں
بچھڑی سے رات دن لگے ہی رہیں

باہر اندر کہاں کہاں کتے
بام و در چھت جہاں تہاں کتے

جھڑ جھڑادے ہے کان کو کوئی
رووے ہے اپنی جان کو کوئی

یک طرف ہے چپڑ چپڑ کی صدا
یعنی کتا ہے چکی چاٹ رہا

ایک چھنے کو منھ میں لے آیا
ایک چولھے کو کھودتا پایا

ایک کے منھ میں ہانڈی ہے کالی
ایک نے چلنی چاٹ ہی ڈالی

تیل کی کپی ایک لے بھاگا
ایک چکنے گھڑے سے جا لاگا

کتے یارو کہ جان کا تھا روگ
جاں بلب ہوں نہ کس طرح سے لوگ

آدمی کی معاش ہو کیونکر
کتوں میں بود و باش ہو کیونکر

بستی دیکھی سو ایسی تھی آباد
کہ بیابان سخت سے دے یاد

چار چھپر کہیں چماروں کے
سو بھی ٹوٹے گرے بچاروں کے

پھر چلو آگے تو نہیں ہے کچھ
ڈھونڈھا سا اور جو کہیں ہے کچھ

پھوٹی ٹوٹی کوئی حویلی ہے
سو بھی میدان میں اکیلی ہے

ایک دو مردے سے پڑے ہیں وہاں
زرد ہو ہو گئے ہیں بے لب ناں

لوگ ایسے مکان سب ایسے
ایسی جاگہ سے اچٹیں دل کیسے

اور جو چمار گھر نظر آئے — اُن کی خوبی کھلے وہیں جائے
وہ بھی کولی چمار تھے کوئی — فاقوں کے زیر بار تھے کوئی
صورتیں کالی سوکھے سوکھے سے — سارے کنگال اور بھوکھے سے
چار دانوں کے واسطے جی دیں — جان کھا جائیں کچھ نہ جبتک لیں
اس سے آگے بڑھے تو دھینور تھے — اجڑے بچڑے انھوں کے کچھ گھر تھے
اور آگے گئے تو تھا بازار — اس میں بنیوں کی تھیں دوکانیں چار
ایک کے پاس دال کچھ آٹا — تس کو بھی مکھیوں نے تھا چاٹا
ایک کے سانواں اور تھوڑے چنے — چھبڑوں میں خاک دھول ایک کنے
جو تھا باقی رہا سو تھا کنگال — نانوں کو کہتے تھے اسے بقّال
اس کا عالم کے یاں اٹھا مایا — اُن نے جیسا کیا تھا سو پایا
ایک کنجڑے کے چار گٹھی پیاز — تس پہ اُس کو ہزار فخر و ناز
کیا کہوں مرچ تھی نہ ادرک تھی — اس پچھندر میں کچھ بھی بھدرک تھی
ایک دوکان تھی پساری کی — اُن نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی
اس سے جا کر جو مانگئے ہلدی — زرد مٹی کو باندھ دے جلدی
دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے — بس تم اس بستی میں میاں جی رہے
یاں جو کچھ ہے چلن سو دیتا ہوں — میں بھی پیسے لگا کے لیتا ہوں
مانگو اس سے جو مرچ یا دھنیا — دیوے تُخّا دہی بتا دھنیا
ان میں دو دانے اور سب کنکر — دبیئے کاغذ میں ہاتھ لمبا کر
لونگ چودانفر سے منگوایا — لال مرچیں کٹی ہوئی لایا

اور اشیا یہیں سے کریئے قیاس — آگے جاتا نہیں کہا مجھ پاس

اور دس بیس گھر گنواروں کے — اور دو چار فاقہ ماروں کے

چھوٹی مسجد خطیب تھا نہ اذاں — یہی خانہ خطیب کا تھا واں

نہ تھی قید صلوٰۃ و رسم صوم — اس پہ سید امام واں کی قوم

بندے سب جن کا تھا خدا نہ کوئی — اس طریقے سے آشنا نہ کوئی

راہ و رسم و طریق سب بیڈھب — پہلے گالی تھی پیچھے حرف بہ لب

کوسوں بھاگا اگر ملا کوئی — صحبت ایسوں سے رکھے کیا کوئی

ایک تکیہ نہ جس میں فرش کاہ — حال درویش قابل صد آہ

ٹکڑے ٹکڑے کی احتیاج اس کو — مرض جوع لاعلاج اس کو

برسوں چلا کے ناامید ہوا — چپکی سادھی جگر میں چھید ہوا

آتے جاتے سے ان نے جو پایا — اسی پہ رہ گیا وہی کھایا

گرد جو چار خاک کے سے ڈھیر — جن کو کہتے تھے لیٹے ہیں یاں شیر

اپنا تو اعتقاد تھا ہی کم — پر کبھو بتی بھی نہ دیکھی ہم

کچھ نہ دیکھا ہم ان بھی گوروں سے — کام نکلا سو اپنے زوروں سے

کی توجہ جو تنگ دروں کی اور — دل جگر پہ مرے پڑا کچھ زور

جن سے چھاتی میں درد ہونے لگا — رنگ چہرے کا زرد ہونے لگا

پھر زمینداروں میں نفاق ہوا — یہ عجب اور اتفاق ہوا

دونوں کا اک جدا ہی مطلب ہے — یہ کہے روز وہ کہے شب ہے

اس پاس اس گڑھی کے آئی جھیل — گم تھے برسات میں طریق و سبیل

ایدھر اودھر اُتر کے پانی جاؤ ٹھیرے پھر جو ٹک بھی ہووے چڑھاؤ
اُس سے واں کی ہوا بہت مرطوب ہووے نزلہ زکام بے اسلوب
کتنے روزوں میں ہوتی ہے کھانسی ایسی جیسے گلے میں دیں پھانسی
پھر وہ درجہ ہے جس میں ہووے دق یہ کوئی نکلی ایک ثالث شق
پڑی آفت خطر تھا سکھوں کا کیوں کہ وہ ملک گھر تھا سکھوں کا
اس میں آجاتے تو قیامت تھی مال و جاں عرض سب کی رخصت تھی
نہ کوئی دادرس نہ دقت داد مفت ہی ہم گئے تھے سب برباد
کیا کڈھب چرخ کج نے پھینکا تھا پر خدا کچھ ہمارا سیدھا تھا
جس نے قدرت نمائی کی اپنی اس بلا سے رہائی کی اپنی
بس قلم ہے صریر تیری تند شور سے تو پڑا جہاں میں ڈنڈ
بدزبانی کا مجھ کو کب ہے دماغ ایسی باتوں سے میں کیا ہے فراغ

ہو چکی صاحبوں کی فرمائش
پہ جب رہ اب ہے زمان آسائش

مثنوی در مذمّتِ دُنیا

پیش خدمت ہے **کتب خانہ** گروپ کی طرف سے
ایک اور کتاب ۔
پیش نظر کتاب فیس بک گروپ کتب خانہ میں
بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے
https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share
میر ظہیر عباس روستمانی
0307-2128068

@Stranger

سنو اے عزیزانِ ذی ہوش و عقل
کہ اس کاروان گہ سے کرنا ہے نقل

پیمبر ہے شہ ہے کہ درویش ہے
سبھوں کو یہی راہ در پیش ہے

کہو گے کہ آگے تھا کہتا کوئی
نہیں اس سرا بیچ رہتا کوئی

بجا ہی کیا کوس رحلت مدام
کنھوں نے بجتا سنا یاں مقام

یہ بیٹھے جو ہیں سامنے میں کہاں
جہاں جلوہ ہے ایک بزم رواں

جسے دیکھو چلنے کا گرم تلاش
یہ منزل نہیں جائے بود او باش

گدا ہو کہ ہو شاہ عالی تبار
تہ خاک سب کا ہے دار القرار

نہ یک بوئے خوش ہی ہوا ہو گئی
وہ رنگینیٔ باغ کیا ہو گئی

ملے خاک میں جھڑ کے گلہائے تر
پریشاں ہوئے مرغ گلشن کے پر

پتنگوں نے گر خاک مسکن کیا
چراغوں نے بھی خانہ روشن کیا

گئی خاک دامن فشانی کے ساتھ
رہا آب سو بھی روانی کے ساتھ

رہی راکھ ہو کر اگر آگ تھی — رکن ہے جہاں آباد کی لاگ تھی

نہ جدول رہے گی نہ سرو رواں — گلستاں کو یاد دیں گے ہو کا مکاں

زمیں کا رہے گا یہی کیا سبھاؤ — لپٹ جائیں گے آسماں جیسے تاؤ

سکوں یاں کا دیکھا سراسر شتاب — چلے جاتے ہیں کوہ جیسے سحاب

جہاں ایک ماتم سرا ہے عجب — نہیں جائے باش اور جا ہے عجب

بھلا جی کے جانے کا کیا ہے بیاں — عیاں ہے کہ کہتے ہیں جاں کو رواں

جوانی گئی موسم شیب ہے — شہود ایک دو روز کو غیب ہے

ہنسوں کیونکہ مستی میں دنداں نما — کہ ہے جائے دنداں ہی دنداں نما

گیا شور سر سے جھکا ہے بہت — گئی وا شداب دل رکا ہے بہت

نہ وہ ذائقہ ہے نہ وہ ہے مشام — مزا کچھ نہیں ہو چکی صبح و شام

کریں لمس کیا ہر گھڑی ہے صداع — نہیں لذت اکل و شرب و وقاع

بلا ارتعاش تن زار ہے — ہر ایک عضو چلنے کو تیار ہے

ہوا حافظہ بسکہ نسیاں کا صرف — نہیں یاد آتا ہے دوشینہ حرف

ہوئے شعر کیا کیا فراموش ہائے — کہوں کیا گزرتی ہے خاموش ہائے

نہ پوچھو لب و لہجہ بے طور ہے — سخن کرنے کا ڈھنگ ہی اور ہے

نہیں گور کے کام سے کچھ فراغ — کسے ذوق صحبت کہاں ہے دماغ

نہ پوچھ یوں ہی عینک نظر چڑھ گئی — بصارت کی بے طاقتی بڑھ گئی

نہ دیکھئے جو عینک نہ آوے نظر — کہے تو کہ اعمیٰ ہیں ہم بے بصر

رہے دیکھ جو حرف زن ہو حریف — رہا سننے کے گو نہ سمع شریف

صد افسوس لطفِ سماعت نہیں
صدا دور سے جیسے آوے کہیں

شباب آہ داغ جگر دے گیا
قد خم زمیں کی طرف لے گیا

نہ کچھ زورِ بازو بہت کم ہوا
جھکا سر سو زانو کا ہمدم ہوا

جوانی کی شب کیا بسر ہو گئی
سفیدی مو سے سحر ہو گئی

بدن زار اعضا سبھی رعشہ دار
کرے کون خوباں سے بوس و کنار

جو یہ چال ہی جا رہے ہیں ہم اب
دموں پر غرض آ رہے ہیں ہم اب

کھڑے ہوں تو تھرّائے ران اور ساق
جئیں بیٹھے کیونکہ کہ جینا ہے شاق

جو یوں پاؤں چلتے بچلتے رہے
تو دیکھو گے ہم یاں سے چلتے رہے

اگر ضعف سے چپ ہی رہتے ہیں ہم
یہ سوچو تو کیا کیا نہ کہتے ہیں ہم

کہے میں نہیں اپنے ٹک پاؤں دوست
کیا خاک میں تجھ کو پیری نے سخت

جو بازو ہیں اپنے وہ بازو نہیں
اگر منھ کو دیکھو تو وہ رو نہیں

بدن کی ہوئی میرے صورت ہی اور
دسے آنکھیں نہیں دسے نہ چتون کے طور

جسد ناتواں جائے مہمان تنگ
سخن منھ پہ آوے دو داعی کے رنگ

لبوں پر نہایت ضعیف ایک آہ
در و بام پر حسرتوں سے نگاہ

شکن جلد میں دل کو پژمردگی
غریزی حرارت میں افسردگی

بر و دوش بہت جسم میں آ گئی ہے
مزاجی تھی گرمی سو ٹھٹھر گئی

پھر کنارہ ہوں منھ پہ میں آب کاش
کہ ہوتا رہے روح کا انتعاش

دگرگونا دیا سا بجھا جائے ہے
پھر اٹھ بیٹھوں تو جی چلا جائے ہے

سیہ رو سے شیب اک ستم کر گیا
لکھوں کیا کہ میں جیتے جی مر گیا

قلم رکھ دے کر میر ختم کلام
تمام اپنی صحبت ہوئی والسّلام

مثنوی کُپّی

تھا کبھی کا بچہ اک درویش پاس — باش و بود اس کی تھی مچھ دلمہ نیش پاس

اس قلندر نے بحسب احتیاج — بیچنے اس کو نکالا لاعلاج

میں لے اس کو ایک جا دلوا دیا — مول ٹھہرا تھا جو کچھ سو لا دیا

بھونہ یا کوئی تحفہ دہر کا — عزت افزا بندر ابن شہر کا

نام منوا اس کا اب مشہور ہے — شوخی اس کی ہر کہیں مذکور ہے

ہے ہنومانی نسب یہ باب دیہ — قایل وصف اس کے حضرت بوجبید

ہے جو لکھّو بندری مشہور اب — اس کی جد مادری تھی بوالعجب

اس کے پردادا نے ہی یہ حرف وی — ایک دم لابہ میں لنکا پھونک دی

ایک چنچل ہے بلا سے روزگار — ہاتھ رہ جائے تو پا سرگرم کار

ہے تو بچہ ساد لیکن دور ہے — پست اس کی جست کا لنگور ہے

کیا کوئی انداز شوخی کا کہے — ہو معلق زن تو آدم تک رہے

اچپلاہٹ اس کی سب معلوم ہے — معرکوں میں چوک کے اک دھوم ہے

ہوتے ہیں قرّاد کب دیکھے سے سیر — اچپلی اس کی رہے ہے یاد دیر

حرکتیں دلکش ہیں سب انداز خوب / پر ضروری ہے کہ ہاتھوں میں ہو چوب

ورنہ بوٹا سا جو قد ہے جھاڑ ہے / کنگھٹا نُچنا ہے کپڑے پھاڑ ہے

لونڈی باندی سب کو اس سے احتراز / ڈر سے اکثر بی بیوں کے دل گداز

یہ جو چاہے چھوٹے تو تدبیر کیا / رسی ڈوری لوہے کی زنجیر کیا

ربط اسے جس سے ہے اس سے ربط ہے / مار کھانے پر بھی اُس کو ضبط ہے

جب وہ چھوٹے شور رہتا ہے رہیں / اب تو چھوٹا اب تو چھوٹا سب کہیں

چھوٹتا ہے گر پڑے کوئی بجوگ / بندروں سے ناچتے پھرتے ہیں لوگ

ہوتے ہیں اس جنس میں بھی ذی خرد / آدم وجہ اس میں یہ بوزنخ ہیں بد

طنز ہے یہ بات اگرچہ ہے کہی / جو کرے انسان تو بوزینہ بھی

لیکن اس جاگہہ تو صادق ہے یہ قول / سارے اس کے آدمی کے سے ہیں ڈول

ہے تماشا آئینہ کے رُو برو / عکس سے اپنے اسے ہے گفتگو

دیکھنا جھک جھک کے اس کا ہو نہ ضبط / آرسی بندر کا ہے مشہور ربط

گاہ بوسہ گاہ غر غر بولنا / گاہ آنکھیں موندنا پھر کھولنا

آگے تھا اک بوزنہ شطرنج باز / چال سے اس کی نکلتا امتیاز

کہنہ قرادوں سے ہم کو یاد ہے / یہ اسی قتسان کا داماد ہے

جان دیں بندر اگر دیکھیں پھنے / رہتے ہیں چاولی پڑے اس کے گنے

آنکھ کب دوڑے ہے اس کی ہر طرف / ہے یہ اپنے نوع کا فخر و شرف

الغرض منوا عبارت ہاں سے ہے / نام اس دلکش کا منوا یاں سے ہے

خوش رہے منوا تو خوش احوال میر / ورنہ آدم ہے جوانی میں بھی پیر

دہر میں یارب نہ یہ محزوں رہے
جس کا منوا ہے اسے میموں رہے

مثنوی در بیان بزم

کہتے ہیں جو غم نداری بز بخر
سوہی لی میں ایک بکری ڈھونڈھ کر

شعر زور طبع سے کہتا ہوں چار
وزدی بزگیری نہیں اپنا شعار

وزد ہے شائستہ خونریزی کا یاں
بلکہ بابت ہے بزآویزی کا یاں

میں پڑھوں ہوں اس کے آگے شعر گر
اپنے ہاں گویا بز اخفش ہے یہ

بکروں کی داڑھی کے تئیں جانے ہیں سب
تکہ ریشی بکری کی ہے بوالعجب

رنگ سر سے پاؤں تک اس کا سیاہ
چکنی ایسی جس پہ کم ٹھہرے نگاہ

چار پستاں اس کے آئے دید میں
دو جہاں ہوتے ہیں دو ہیں جید میں

ایک میں ان میں سے تھا مطلق نہ شیر
ایک کو کہتے ہیں اندھے خرد و پیر

اس پہ کالے بکرے دو خیلا بجنے
ناز نخرے سے رہے پھر اٹھنے

چارہ بیٹھے کھاتے اک انداز سے
دیتی بیٹھ تو ہوتے خوش اس ناز سے

دودھ ہو چوچی میں تو بچہ پیئے
بیٹھا دیکھے اس طرف منہ کو کیئے

بھوک سے گرم تظلم دے ہوئے
اپنی شایان ترحم دے ہوئے

دودھ منگوایا گئے بازار سے
پھوہوں سے دینا گیا انفار سے

گھاس دانہ بارے کچھ کھانے لگے
گرتے پڑتے پاس بھی آنے لگے

پرورش سے حق کی بارے جی گئے
آب و دانہ دوڑ کر کھا پی گئے

اب جوانی پر جو ہیں وہ شیر مست
کودتے ہیں ہر طرف ہر دم ہیں چست

مستی اپنی ماں پہ کرتے شاد ہیں
عاقبت بکرے ہی کی اولاد ہیں

زور و قوت سے حریفوں کے ہیں ڈھینگ
آہوئے جنگلی کو دکھلاتے ہیں سینگ

ٹکر ان کی کیا جگو مینڈھا اٹھائے
قوچ سرزن سامنے ہرگز نہ آئے

سرزنی میں شہرۂ آفاق ہیں
لوگ بزگردی کے سب مشتاق ہیں

رنگ کو اس جنگ کا کیا ڈھنگ ہے
دیتے ہی میداں کا عرصہ تنگ ہے

ہوتے ہی استادہ طاری ہو غشی
کیا بز کو ہی ہے ہو میداں کشی

تیس ان کی دھاک سن کر مر گیا
غم گوزنوں کو انھوں کا چر گیا

گو وہ ٹکر کھا جو ڈکراتا رہا
بزدلی سے گرگ بھی جاتا رہا

مارے پانی پانی کر بکرے اچھیل
لکھنؤ سے غل ہے تا بکرے کی جھیل

پاس جانا ان کے اب مسدود ہے
ذبح کرنے کو ہر اک موجود ہے

اس ادا سے جائیں گے چھریوں تلے
کاشکے ہوتے نہ ہاتھوں میں پلے

احمد جمال پاشا کی دوسری کتابیں

اندیشۂ شہر (مزاحیہ مضامین) ۴/۰

ستم ایجاد " ۴/۵۰

غالب سے معذرت کے ساتھ (پیروڈی) ۳/۵۰

اردو کے چار مزاحیہ شاعر (انتخاب) ۴/۰

ملا نصیر الدین کے لطیفے ۴/۰

مجاز کے لطیفے ۲/۷۵

(علاوہ محصول ڈاک)

چہرے کی یتیمی دور کرنے اور دل کو شاد کرنے کے لیے آج ہی طلب فرمائیے۔

(منیجر)

پنچ پبلشرز سروری منزل کچا احاطہ۔ لکھنؤ ۱ (یوپی)

کتاب	مصنف	قیمت
تذکرہ گلشن گفتار	ایم کے فاطمی	۲/۰
اردو شاعری کا تہذیبی پس منظر	ڈاکٹر محمد حسن	۱۰/۰
مطالعہ مثنوی گلزار نسیم	ایم اے لاری	۲/۵۰
نقطہ نظر	عبدالغنی	۵/۷۵
شعر و ادب	اختر حسن لاری	۳/۰
غالب کچھ جائزے		۲/۵۰
کعبہ میں صنم خانہ	سلام سندیلوی	۴/۰
نگار خانے	زیب بریلوی	۳/۵۰
شام بہاراں	وفا بریلوی	۳/۵۰
شبستان	شکیل بدایونی	۳/۵۰
لعل و جواہر		۲/۵۰
رہبر ایشیا		۳/۵۰
جواہرات	امین سلونوی	۳/۰
نبض دوراں	افگر شاہانی	۱/۵۰
گل نو	واصر بریلی	۲/۰

مذہبیات

کتاب	مصنف	قیمت
حج کا سفر	مولانا مفتی محمد رضا انصاری	۵/۵۰
فتاویٰ فرنگی محلی	"	۴/۲۵
ارمغان نعت	ساجد صدیقی والی آسی	۴/۰
مقبول سلام	"	۲/۲۵
سرور جاوداں	بیکل اتساہی	۲/۷۵
نسیم طیبہ	تابش	۲/۵۰
صہبائے حرم	ساجد صدیقی	۱/۵۰
صدائے عارف	مولانا ابوالوفا	۰/۶۰
ترانۂ نعت	عمر انصاری	۰/۶۰
نور کی برکھا	بیکل اتساہی	۰/۶۰

کتاب	مصنف	قیمت
موج طہور	بہزاد لکھنوی	۰/۶۰
منتخب سلام		۰/۶۰
ظہور قدسی	ماہر القادری	۰/۶۰
نوائے ایماں	نازش پرتاب گڑھی	۰/۶۰
انتخاب اعلیٰ حضرت	مولانا احمد رضا بریلوی	۰/۶۰
شمع ازل	عزیز سلونوی	۰/۶۰
گل افشانیاں	خوشتر گونڈوی	۰/۶۰
افکار خوشتر	"	۱۰/۵
الفاروق	شبلی	۶/۰
الکلام	"	۵/۰
اسلامی خدمات	"	۳/۰
غبار خاطر	مولانا آزاد	۶/۰
تبرکات آزاد	"	۳/۵۰
طنزیات آزاد	"	۳/۰
فلسفہ	"	۳/۵۰
طریقہ حج	"	۲/۰
اسلام اور مسیحیت	"	۲/۵۰
پردے کی حقیقت	مولانا اشرف علی تھانوی	۰/۴۰
علی اور عائشہ	عمر ابوالنصر	۳/۵۰
[illegible]	"	۶/۰
سید العرب	"	۳/۰
تذکیر الاخوان	اسمٰعیل شہید	۴/۰
حیاۃ الصحابہ اوّل	مولوی زکریا	۲۲/۰
فضائل صدقات	"	۷/۵۰
تبلیغی نصاب	"	۷/۵۰

ہر قسم کی ادبی و مذہبی کتابیں طلب فرمائیے

تیج پبلشرز سروری منزل کچا احاطہ لکھنؤ (یو پی)